اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

بیاض شاد

جس میں

کلام شاد کے غزلیات کے علاوہ دیگر جدید کلام فارسی و اُردو شامل ہے

از نتائج افکار

عالیجناب مستغنی عن الالقاب ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد

بہادر یمین السلطنت کے سی آئی ای جی سی آئی ای [illegible] سابق وزیر اعظم

دولت آصفیہ متخلص بہ شاد صوفی

تلمیذ حضرت آصف غفران مکان علیہ الرحمہ

نظام الدین حسین نظامی پرنٹر

نظامی پریس بدایوں میں طبع ہوئی
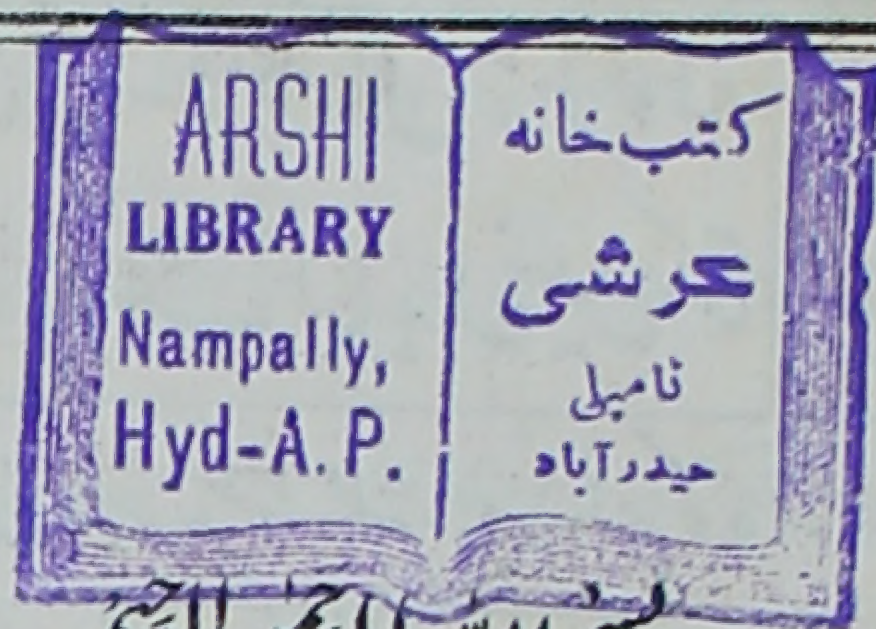
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

غزل۔ بتاریخ ۱۲۔ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ۔ روز پنجشنبہ۔ بمقام کوہ شریف

دل سنبھالے سنبھل نہیں سکتا
گر نکالے نکل نہیں سکتا

حال بے حال تیری یاد میں ہی
دل کہیں اب بہل نہیں سکتا

ہاتھ اُٹھائے ہوئے ہوں دنیا سے
کفِ افسوس مل نہیں سکتا

قصۂ درد دل کا لفظ کوئی
مُنھ سے اپنے نکل نہیں سکتا

زہر ہی کیا شراب ای واعظ
کیوں اسے تو نگل نہیں سکتا

وقت جیسا ہو جو مقدر ہو
وہ کسی طرح ٹل نہیں سکتا

کیا نہیں سُوز تجھ میں آتشِ عشق
تجھ سے کیا کوئی جل نہیں سکتا

لاکھ دشمن کی تیز ہو رفتار
مجھ سے آگے نکل نہیں سکتا

اس زمانے کا حال خاطر خواہ
شادؔ اب کیا بدل نہیں سکتا

غزل. بتاریخ رجب ۱۳۳۲ھ بمقام کوہ شریف

کیا بتاؤں تمھیں عشق ہی کیا بلا ۔۔۔ پھنس گئے دام میں کہہ کے قول بلیٰ
ایک لب پر مرے ہی شکایت نہیں ۔۔۔ خلق میں اُس کو سب کہتے ہیں بے وفا
وہ ہی ظاہر میں ہی وہ ہی باطن میں ہی ۔۔۔ ہی وہی ابتدا، ہی وہی انتہا
اُس کا ہی نور ہی ہر جگہ نور بار ۔۔۔ وہ ہی شمس الضحیٰ وہ ہی بدر الدجیٰ
کوئی اُس سے نہیں ہی جدا عارفو ۔۔۔ ہی کہاں کی بقا ہی کہاں کی فنا
بادۂ معرفت ہو میسر ہمیں ۔۔۔ ہی یہی رات دن اپنی دل سے دعا

کیا اجارہ کسی کا محبت میں ہی
شادؔ دل ہی تو ہی آگیا آگیا

غزل. بتاریخ ۲۱- جمادی الاوّل ۱۳۳۳ھ روز چہار شنبہ بمقام مسند

پلا مجھ کو ساقی میں ہوں پینے والا ۔۔۔ مرے منہ سے جلدی لگا دے پیالا
کلیمؔ سمیعؔ یہ دونوں صفت ہیں ۔۔۔ وہی کہنے والا وہی سُننے والا
اندھیرا ہوا ذکر کرنے سے کافور ۔۔۔ نہو خانۂ دل میں کیونکر اُجالا

پلا کر کیا مست ساقی نے مجھ کو / کہوں کیوں نہ میں بارک اللہ تعالا

نہیں داغ سینے پہ میرے نمودار / کھلا ہی یہ قدرت کے گلشن میں لالا

نہیں ہوں میں ای شیخ پابندِ مذہب / بہت دن سے یہ ضابطہ توڑ ڈالا

گرا اپنے ساقی کے قدموں پہ جاکر / نشے میں بھی اپنے کو ایسا سنبھالا

وہ رُکتا نہیں کام ہرگز کسی سے / جو قدرت کی جانب سے ہی ہونیوالا

رہے دین و دُنیا میں ای شاہ دائم / بحقِ محمدؐ ترا بول بالا

غزل بتاریخ ۱۱- جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ روز سہ شنبہ بمقام مسند

جب ہوا شوق مجھے اپنی خود آرائی کا / جو صبا پڑھنے لگا چشمِ تماشائی کا

زور پر جوشِ جنوں ہی دلِ سودائی کا / کہیں جھنڈے پہ چڑھے نام نہ رسوائی کا

بند رہتی ہیں مری آنکھیں تصوّر میں ترے / لطف اب آنے لگا عالمِ تنہائی کا

وصل ہی کس کا بھلا اور جُدائی کس کی / کس کا ڈر اور کسے شوق جبیں سائی کا

کعبہ و دیر میں چھایا ہی گھٹا ٹوپ اندھیر / جلوہ جب سے ہی عیاں آپ کی یکتائی کا

نہیں آتا نظر اب کچھ ترے جلوے کے سوا / ایسا روشن ہی ستارہ مری بینائی کا

زینتِ گلشنِ عالم کا ترے سر سہرا / ہر طرف شہرہ مچا ہی چمن آرائی کا

یار و اغیار پر اس گوشہ نشینی کے سبب
کھل گیا راز مری عالم تنہائی کا

کیا دلیل اور کوئی لائیگا وحدت کی شاد
یہ جو کثرت ہے ثبوت اس میں ہے یکتائی کا

غزل

بتاریخ ۱۴- جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ روز جمعہ مقام مسند

تو اپنے واسطے ہے آپ پردہ صورت کا
کمالِ حسن بنا باعثِ حجاب ترا

رکھا ہے عالمِ کون و فساد میں کیا خاک
جو اس وجود کے اندر نہو پتا ترا

کہاں سے برق میں یا رب یہ آگئی شوخی
یہ کس کے نور سے اس میں ہے روشنی پیدا

چھپے ہو کس لیے عالم میں کس سے ہے پردا
دکھاؤ طالبِ دیدار کو ذرا جلوا

مقام یار کے رہنے کا ہے دلِ عاشق
حرم میں دیر میں ہر سنگ میں ہے کیا رکھا

بہت سی کی ہے مرے دل نے اضطراب کی مشق
اسی لیے تو اسے صبر کچھ نہیں آتا

بتوں کے قد کے تصور میں سر بلند ہوں میں
ثمر کے واسطے اے شاد منتظر ہوں کھڑا

غزل

بتاریخ ۱۴- جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ روز جمعہ مقام مسند

دل میں خدنگِ عشق مری جان رہ گیا
آیا تھا جان کے لیئے مہمان رہ گیا

قربان کیوں نہ جاؤں ترے ہجر کے ستم
دل میں ترے وصال کا ارمان رہ گیا

کب عشق کی بلا سے رہائی مری ہوئی — نکلا جو دم بھی دل میں ترا دھیان رہ گیا

تیرے نثار اے کششِ لذتِ خلش — نکلا خدنگ سینے سے پیکان رہ گیا

ساقی پلا دے بھر کے مجھے اور ایک جام — مستی کا میرے دل میں کچھ ارمان رہ گیا

نوکِ مژہ تک آکے مرے اشک رک گئے — ہوتا تھا آج نوح کا طوفان رہ گیا

سب جانتے ہیں آپ کو پہچانتے نہیں — اتنی سی بات کا ہی تو ارمان رہ گیا

دستِ جنوں نے کس لیے کی ایسی کوتہی — جو تار تار ہو کے گریبان رہ گیا

جس دم نگہ ملی مجھے مستانہ کر دیا
ساقی کا مجھ پہ شادؔ یہ احسان رہ گیا

غزل بتاریخ ۱۸ - جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ روز شنبہ مقام مسند

اُس بت کی محبت میں آخر یہی کرنا تھا — اپنے سے گزرنا تھا سو جان سے مرنا تھا

ہشیار ہوئے غنچے کر ہو گئے گوشِ گل — بلبل تجھے گلشن میں یوں شور نہ کرنا تھا

مطلوب تھا کون اپنا تھا کون بجز اُس کے — کس پر ہمیں مرنا تھا۔ ہاں یہ ہی تو مرنا تھا

حالت کہیں کیا اپنی یوں ہجر کی شب گزری — بے چین یہاں ہم تھے واں اُن کو سنورنا تھا

میخانہ میں بلوا کر اُس پیرِ مغاں کو شادؔ
احسان یہ کرنا تھا ساغر بھرا بھرنا تھا

غزل ۱۰۔ رجب ۱۳۳۲ھ مقام مسند، روز سہ شنبہ

نقصان کے سوا نہ مجھے اے یاس کیا دیا
اک داغ دل تھا اُس کو بھی تو نے مٹا دیا

فرقت ہی تیری اچھی تھی تیرے وصال سے
دل کی لگی کو کیوں مری تو نے بجھا دیا

سودا ہی آخرت کا نہ دے ہاتھ سے اسے
آئے گا تیرے کام یہاں کا لیا دیا

خورشید سر پہ آیا تو سایہ ہوا ہی گم
ظاہر ہوا جب آپ تو ہم کو چھپا لیا

واقف نہ تھا میں ذائقۂ مے سے ساقیا
ناحق مری زبان کو چسکا لگا دیا

عارف وہی ہے اور محقق بھی ہے وہی
جس آدمی نے دل سے خودی کو مٹا دیا

پایا جو اُس کو میں نے کیا شکر یوں ادا
ہستی کو اپنی راہ میں اُس کی مٹا دیا

ٹھنڈک پڑی کلیجے کو دامن سے تیغ کے
قاتل نے جب سے زخموں کو پھاہا لگا دیا

اس واسطے سے ہوگی مری بندگی قبول
صد شکر اُس نے بندے کا بندہ بنا دیا

احسان میرے سر پہ ہے کیسا حضور کا
ذرّے کو آفتاب کا ہمسر بنا دیا

قربان کیوں نہ جاؤں میں پروردگار کے
بگڑی کو میری شادؔ اُسی نے بنا دیا

غزل ۱۰ رجب ۱۳۳۲ھ روز سہ شنبہ مقام مسند

فلک کے جور نے زائل مرا شباب کیا
شکستہ بال و پری نے مجھے خراب کیا

زمانہ عالمِ طفلی میں بیخودی کا تھا
شباب ہوش میں لایا مجھے خراب کیا

اُٹھائے بارِ امانت کو کوئی اہل نہ تھا
مجھے ہی اس کے لیے اُس نے انتخاب کیا

سوالِ وصل پہ خاموش ہو رہا سُن کر
سکوت نے مجھے اُس بُت کے لاجواب کیا

بساط کیا تھی مری اور کیا حقیقت تھی
خدا کے فضل نے ذرّے سے آفتاب کیا

شراب پینے میں ساقی نے کوتہی کیوں کی
کہ اُس نے ہوش میں لا کر مجھے خراب کیا

مرید پیرِ مغاں نے کیا ہی واعظ کو
یہ کام خوب کیا موجبِ ثواب کیا

ریا کو چھوڑ دے ای شیخ ورنہ کیا حاصل
شراب اور گزک سے جو اجتناب کیا

کیا نہ شاد مجھے اُس نے آج تک محروم
مری دُعاؤں کو ہر وقت مستجاب کیا

غزل بتاریخ ۱۰ رجب ۱۳۳۳ھ روز سہ شنبہ مقام سند

خیال اب بھی ہے اُس یارِ رنگ سائی کا
کہ دل میں حوصلہ باقی ہے جبہ سائی کا

سمجھ رہے تھے جسے غیر ہم نہیں ہے وہ غیر
نتیجہ خوب ملا اُس سے آشنائی کا

خیالِ غیر کو دل سے مٹا کے صاف کرو
یہی طریقہ ہے اُس یار سے صفائی کا

خدا ہی جانے رقیبوں نے کیا لگا دی آگ
کھلا نہ ہم کو سبب یار کی رُکھائی کا

جہاں میں ہوتے ہیں معشوق بیوفا اکثر
عبث ہے شکوہ ہمیں اس کی کج ادائی کا

وفا سے ہم بھی نہ ہرگز ٹلیں گے یاد رہے
شعار اُن کا جو ٹھہرا ہی بیوفائی کا

کتاب عشق میں ہم نے اکائی پڑھ لی ہی
خیال آ نہیں سکتا ہی اب دہائی کا

اٹھا حجاب تو جے اپنے میں ہم نے پایا اُسے
ذریعہ خوب ملا ہم کو رونمائی کا

وہ محو لذتِ دیدار ہیں کہ بیخود ہیں
خیال کب ہی بھلائی کا یا برائی کا

زمانہ سارا مسخر ہی اور حلقہ بگوش
ملا ہی شاہ کو وہ تاج بادشاہی کا

فقیر خواجہ کے در کا بنا رہے قسمت
ملا ہی شاد نہ مجھے لطف اب گدائی کا

غزل

بتاریخ ۱۰۔ رجب ۱۳۳۳ھ روز سہ شنبہ بمقام مسند

عشق اب کس سے کریں ہم کہ وہ جاناں نرہا
بزم خلوت نرہی عیش کا ساماں نرہا

جا کے کعبے میں وہ پجوانے لگے اپنے کو
ایک مومن نہ رہا ایک مسلماں نرہا

سب کی خواہش ہی ملے عزت و مال و دولت
کوئی دنیا میں اب اس یار کا خواہاں نرہا

انکی جانب در روز بندھی رہتی ہی
ایک دن بھی تو وہ دلبر کبھی مہماں نرہا

کرتب اپنے جو بتائے تو بتائے کیونکہ
گوئے اب شہ نرہی اور وہ میداں نرہا

نظر آتے ہیں سبھی اپنے غرض کے بندے
نرہا کوئی فدائی ترے قرباں نرہا

تجھ میں ستاری کی کچھ شان ہی ایسی یا رب
کہ کوئی طفل حمل میں بھی تو عریاں نرہا

وہ تو موسیٰ ہی کی قسمت میں تھی سب جلوہ گری
پھر کبھی طور پہ نور اُس کا درخشاں نہ رہا

ذاتِ مطلق کسی شے میں بھی مقید نہ ہوئی
وہ کسی شان و صفت میں کبھی پنہاں نہ رہا

رات دن ان کو میسر ہی حضوری تیری
کبھی حائل ترے عشاق کا درباں نہ رہا

بالبِ شور یہی کہتے ہیں زخموں کے دہن
کہ گھڑی بھر بھی وہ ظالم نمک افشاں نہ رہا

کب وفا سے ہیں ملا تھا یہ بتائے کوئی
کب ستا کر مجھے وہ شوخ پشیماں نہ رہا

وہ تو آزاد ہی پابندیٔ ہر مذہب سے
شاد ہندو بھی رہا کب جو مسلماں نہ رہا

غزل بتاریخ ۱۰۔ رجب ۱۳۳۳ھ روز سہ شنبہ مقام مسند

شبِ فراق کا صدمہ سہا نہیں جاتا
بغیر وصلِ صنم اب رہا نہیں جاتا

اگر یہ دل مرا تم سے لیا نہیں جاتا
تو پھر یہ غیر کو ہرگز دیا نہیں جاتا

بتوں کے عشق نے کافر بنا دیا مجھ کو
ہی سچ تو یہ کہ مسلماں ہوا نہیں جاتا

دل اپنا پردے کا گھر ہی خوشی سے آپ ہیں
یہ وہ مکاں ہی جہاں دوسرا نہیں جاتا

کہاں سے گردشِ سیار آئی قسمت میں
کہ مجھ سے ایک جگہ اب رہا نہیں جاتا

اگرچہ پیر ہوں لیکن جواں ہی عشق مرا
بغیر نالے کے مجھ سے رہا نہیں جاتا

نشیلی آنکھوں کا جس وقت سے تصور ہی
خیالِ دل سے مرے جام کا نہیں جاتا

کہے نہ کس لیئے مخلوق مجھ کو سودائی
خیال دل سے تری زلف کا نہیں جاتا

نظر سے یار کی صورت کبھی نہیں چھپتی
جو اپنے دل کا ہی وہ مدعا نہیں جاتا

ہزار تیری جفا ہو ہزار ہو بیداد
ہی عشق شاد کو دل سے ترا نہیں جاتا

غزل

بتاریخ ۱۳ - شعبان ۱۳۲۳ھ روز یکشنبہ بمقام آئینہ خانہ

موجود جو ساقی ہی تو پھر کیا نہیں ملتا
ہم اس کے ہیں کیا ساغر و مینا نہیں ملتا

یہ اشک کا قطرہ ہی مرے دیدۂ تر کا
ایسا تو کبھی گوہر یکتا نہیں ملتا

کیا خاک نظر آئے سر طور بھلا اب
اس آنکھ کا اب کوئی بھی موسیٰ نہیں ملتا

کیوں چھانتے ہیں خاک بیابان کی عاشق
مجنوں کی طرح ناقۂ لیلیٰ نہیں ملتا

اپنے کو اگر ہی تو خدا پر ہی بھروسہ
دنیا میں کوئی اور سہارا نہیں ملتا

موسیٰ ہی رہے ہائے نہ وہ طور ہی باقی
ای آنکھ کہیں اب وہ تجلی نہیں ملتا

اس عالم تکوین میں عیاں جلوے ہیں لیکن
اب کوئی اُنھیں دیکھنے والا نہیں ملتا

ہر ذرّے میں ہی نور چمکتا ہوا اُس کا
لیکن کوئی اب محو تماشا نہیں ملتا

نیّت ہو اگر خیر تو پھر اس کو کمی کیا
انسان کو کیا رتبۂ اعلیٰ نہیں ملتا

مانگے جو باخلاص کوئی اپنے خدا سے
کیا چیز نہیں دیتا وہ کیا کیا نہیں ملتا

ای شاد اگر دردِ محبت نہیں دل میں
یہ بات سے ہے یاد مسیحا نہیں ملتا

غزل بتاریخ ۳۔ رمضان ۱۳۳۳ھ روز جمعہ بمقام مسند

کھل جائیگا دلوں کا جو ہی راز دیکھنا
ہاں اب اُدھر بھی دیدۂ غمّاز دیکھنا

کشتہ ہوں چشم مست کا تیری میں ساقیا
زندہ کرے گا مجھ کو نہ اعجاز دیکھنا

کیا سرزنش عوض ہی وفاؤ نیاز کا
میری طرف ذرا بُتِ طنّاز دیکھنا

ہیں مُدعی بھی جمع تو حاضر ہیں دوست بھی
ہوتا ہی اس سے کون سرافراز دیکھنا

کثرت میں رہ کے کرتا ہوں وحدت کی سیر روز
اس عندلیبِ عشق کی پرواز دیکھنا

کہتی ہی مجھ سے روپ بدلکر کسی کی ذات
افشا کسی طرح نہ ہو یہ راز دیکھنا

شاد ابتدائے عشق میں لالے ہیں جان کے
انجام کیا دکھائے یہ آغاز دیکھنا

غزل بتاریخ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ روز چہارشنبہ بمقام اورنگ آباد باغ اولیہ

کانِ عرب سے لعل نکل کر سرتاج بنا سرداروں کا
نام محمدؐ اپنا رکھا سلطان بنا سرداروں کا

باندھ کے سر پر سبز عمامہ کاندھے رکھ کر کالی کملی
ساری خدائی اپنی کرلی مختار بنا مختاروں کا
تیرا چرچا گھر گھر ہو جلوہ دل کے اندر رہے
ذکر ترا لب پر جاری دلدار بنا دلداروں کا
روپ ہو تیرا رتّی رتّی۔ نور ہو تیرا پتّی پتّی
مہر و مہ کو تجھ سے رونق نور بنا سیّاروں کا
تیرے عرق میں گل کی بو، قامت تیرا سرو جو
بس گئیں کلیاں طیبہ کی بھاگ کھلا گلزاروں کا
اُمّی گو سب کہتے تھے علم لدُنّی کا تھا علم
راز بھرا تھا سینے میں قرآن کے تیسوں پاروں کا
بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ تھے چار عناصر ملّت کے
کثرت وحدت میں ہی جیسے حال وہ تھا ان چاروں کا
کسب تجلّی کرتے تھے چاروں ایک ہی مہر نبوت سے
بخت رسا تھا بُرجِ شرف میں تیرے چاروں یاروں کا
بادۂ عرفاں دیتا ہی ساقی وحدت کے میخانہ سے

شاد مقدر فضل خدا سے جاگا اب میخواروں کا

غزل بتاریخ ۳ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ روز سہ شنبہ بمقام اجمیر شریف کوٹھی بھرت پور والی رانی

ہر سمت زرد رنگ ہوا سبزہ زار کا — آیا بسنت لیکے یہ موسم بہار کا

ٹیسو جو پھولا دشت میں اس سال زرد زرد — کچھ اور رنگ ہو گیا لیل و نہار کا

مرقد پہ خواجہ کے ہیں عیاں رنگ حسن عشق — جوبن برس رہا ہے عروس بہار کا

وہ ایسے بھول جاتے ہیں گویا نہیں ہے یاد — کیا کہنا اُن کے لطف کا اور انکے پیار کا

یہ بارگاہ شاہ ادب کا مقام ہے — سر سے طواف چاہیئے ان کے مزار کا

لیتے نہیں خبر مرے دل کی ہزار حیف — پھر حال پوچھتے ہو شکیب و قرار کا

آنے کی آرزو میں ہوئی صبح وہ نہ آئے — کہنا ہی کیا ہے میری شب انتظار کا

ہنستے بھی جاتے ہیں مجھے تڑپاتے بھی ہیں آپ — لیتے ہیں امتحان دل بیقرار کا

اس کی بقا کے ساتھ ہماری بقا ہے شاد
ہے زیست نام ہستیٔ نا پائدار کا

غزل بتاریخ ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ روز دوشنبہ مقام تاج محل

کیا شکایت ہے فلک کی کیا گلا تدبیر کا — وہ نہیں مٹتا جو ہے لکھا ہوا تقدیر کا

جوہر آئینہ ہوں میں عکس ہوں میں خورشید کا
ہے مرا نقشہ ہی نقشہ یار کی تصویر کا

بعد مدت کے پسیجا سنگدل کا دل کہیں
اب ہوا قائل میں اپنی آہ کی تاثیر کا

اے کماں ابرو ادھر ناوک لگا تا تاک کر
ہے نشانہ ایک میرا دل ہی تیرے تیر کا

کیوں نہ ہوں دل دشمنوں کے میرے قبضہ میں بھلا
مانتے ہیں سب عدو لوہا مری شمشیر کا

خرقہ تقویٰ ہے تن پر دل میں ہے شوقِ شراب
واعظ آیا ہے پہن کر جامہ کیا تزویر کا

دشمنوں سے ہے مدارا دوستوں سے التفات
ہاتھ آیا ہے مرے نسخہ یہی تسخیر کا

ہیں حواس خمسیہ میرے سب مطیع پنجتن
ہے عقیدہ میرے دل میں حضرت شبیر کا

اُس کے کانوں تک رسائی ہو گئی فریاد کی
کیوں نہ میں احسان مانوں نالۂ شب گیر کا

بیتتی ہے جس کے دل پر قدر ہوتی ہے اُسے
کیا کوئی احوال جانے عاشقِ دلگیر کا

اس کے در کی خاک بنکر خود کو کرنا پائمال
یہ فقیری میں مجھے نسخہ ملا اکسیر کا

تھی خطا دل کی سزا دیتا ہے وہ ظالم مجھے
مجھ سے کہتا ہے کہ تو ہے مستحق تعزیر کا

ہوں سپاہی زادہ جوہر جانتا ہوں تیغ کے
اور اُس پر ہوں دھنی تحریر کا تقریر کا

حملہ ہو جائیں فرائض سب ادا اولاد کے
ہوں ادا یہ فرض اضافہ ہوا گر جاگیر کا

اب نہیں مجھکو تمنا خلعت منصب کی کچھ
دل مرا خواہاں ہے لیکن عزت و توقیر کا

گر نہیں یہ بھی تو بس ہی فقر کا خلعت مجھے
آسرا بس ہے معین الدین چشتی پیر کا

ہوں موحد شاد میں مشرب ہی میرا صلح کل
دینے دو فتوے اگر دیں شیخ جی تکفیر کا

غزل بتاریخ ۲۔ رجب سنہ ۱۳۲۴ھ روز شنبہ مقام مسند

چشمِ ساقی کو تو پیمانہ بنایا ہوتا
مجھے ان آنکھوں کا مستانہ بنایا ہوتا

شمعِ رُخسار کا گر عشق دیا تھا یارب
مجھے پہلے ہی سے پروانہ بنایا ہوتا

نہیں شاہی کی ہوس اور نہ حرصِ دُنیا
میرا دل تو نے فقیرانہ بنایا ہوتا

خاک برباد نہ کرنی تھی مری بادہ فروش
کاش اس سے کوئی پیمانہ بنایا ہوتا

حسرتوں سے ہی الہی مرا سینہ آباد
بہت اچھا تھا جو ویرانہ بنایا ہوتا

دلِ وحشی کو مرے روزِ ازل سے یارب
گیسوئے یار کا دیوانہ بنایا ہوتا

کسی معشوق کی زلفوں میں جو الجھانا تھا
دلِ صد چاک کو پھر شانہ بنایا ہوتا

غم میں اُن کے جو مری جان پہ بیتی اُس کو
لیلی و قیس کا افسانہ بنایا ہوتا

تھا نہ منظور جو دیوانہ بنانا مجھ کو
مجھ کو اپنا ہی سا فرزانہ بنایا ہوتا

کاش یارب دلِ کافر کی پرستش کے لیئے
مثل کعبے کے صنم خانہ بنایا ہوتا

دل میں معشوقوں کے تو نے جو بنایا ہی گھر
شاد بہتر تو یہی تھا نہ بنایا ہوتا

غزل بتاریخ ۱۵- رجب ۱۳۳۴ھ روز پنجشنبہ مقام تاج محل

جو سودا ہی شوریدہ سر بھی رہے گا
جو ہی عشق سوزِ جگر بھی رہے گا

تصور میں ہر جائے ڈھونڈینگے اُس کو
وطن میں رہیں گے سفر بھی رہے گا

کیا یہ سمجھ کر دل اُن کے حوالے
جو دل ہو گا تیرِ نظر بھی رہے گا

تصور میں زلفوں کے دیوانہ ہوں میں
مرے سر میں ویرانِ سر بھی رہے گا

جسے ہو گی دنیائے دوں سے محبت
تو کیسے میں پھر اُس کے زر بھی رہے گا

نہ جائے گا خالی کبھی جذبِ الفت
اگر عشق ہو گا اثر بھی رہے گا

سپاہی جو ہی شادؔ- تو یاد رکھنا
دمِ رزم سینہ سپر بھی رہے گا

غزل بتاریخ ۱۵- رمضان ۱۳۳۴ھ روز یکشنبہ مقام تاج محل

خمدار اور گیسوئے خمدار ہو گیا
ابروئے یار کا یہ طرفدار ہو گیا

بے عشق یک مرض تھی مجھے اپنی زندگی
اچھا ہوا جو عشق کا آزار ہو گیا

دل اُس کے عشق سے کبھی ہمت نہ ہارتا
تیغِ فراق سے جگر افگار ہو گیا

ایمان اور کفر کے جھگڑوں نے یہ کیا
اک دل دو آفتوں میں گرفتار ہو گیا

وعدے کی رات آکے وہ کیا سوئے میرے گھر
خوابیدہ بخت تھا مرا بیدار ہو گیا

کیونکر نہ کھائیں خار عدو اس بہار سے
وہ رشکِ گل گلے کا مرے ہار ہو گیا

بیٹھے بٹھائے گھر میں یہ دولت ہوئی نصیب
اُس ماہ وش کا خواب میں دیدار ہو گیا

بازارِ عشق میں یہی سودا کیا ہی آج
ایمان دے کے اس کا خریدار ہو گیا

کیا اُس کو سمجھے ہو وہ پرانا ہی بادہ کش
کب پارسا تھا شاؔد جو میخوار ہو گیا

ردیف (ب)

غزل بتاریخ ۱۹- رجب ۱۳۳۳ھ ہجری

جوہر یہ پڑ گیا ہی عرض کا یہ کیا نقاب
خورشید اپنے جلوے کا خود ہو گیا حجاب

طالب ہوں بیخودی کا نہ کر دیر ساقیا
صدقے میں تیرے منہ سے لگا دے خم شراب

غائب کا ہی شہود میں وہ نور جلوہ گر
موجود ہر وجود میں ہی مثلِ آفتاب

مضرابِ عشق سے مجھے چھیڑے اگر کوئی
مجھ سے صدائے دوست سُنے صورتِ رباب

کیا میں دکھاؤں تم کو کرامات عشق کی
ہر قطرہ بحر ہی تو ہی ہر ذرہ آفتاب

عریاں تنی ہماری ہمارا ہی پیرہن
لا و نعم کا شور ہی افسانہ کتاب

چھایا ہوا ہی نور یہ کس کا جہان میں
ہر برگ و بار سے ہی عیاں جس کی آب و تاب

میری طلب ہے اسی ہی تیری بڑی جناب	ذرّے کو آفتاب بنانے میں کیوں ہی دیر

تجھ سے ہی اس کی ذات کا عالم میں نور شاد
لیلیٰ کا چہرہ قیس کے باعث ہی بے نقاب

ردیف (ر)

غزل بتاریخ ۳- ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ روز پنجشنبہ مقام مند

ساقیا رندوں کی آنکھوں میں ہے دم بہار	ایسی مے دے جس سے کچھ پہنچے نہ تکلیف خمار
خاکساری کیوں نہ شیوہ ہو کہ ہوں میں خاکسار	خاک کا پتلا بنایا ہی مجھے اللہ نے
یا الٰہی کس طرح دونوں سمجھوں گا رستگار	ایک دل میں خواہش دنیا بھی عقبےٰ کا بھی ڈر
دوڑ کر پیر و جواں کرتے ہیں مجھکو سنگسار	واہ رے جوش جنوں جس راہ سے جاتا ہوں میں
کیا بھروسہ عمر کا کیا زندگی کا اعتبار	وقت جو گزرے غنیمت تو اسی کو جان لے
بعد مرنے کے وہی باقی رہیں گے یادگار	جو عمل نیکی بدی کے ہونگے دنیا میں ترے
کس کا آنا کس کا جانا اور کس کا انتظار	چاہتا ہی تو جسے وہ ہر جگہ موجود ہی

ق

کب ہیں خالی باغ و صحرا اور دشت و کوہسار	اس کا نور پاک کچھ دیر و حرم ہی میں نہیں

کر ہوں مصروفِ عبادت انس و جن ہی فخر کیا
محو ہیں جب ذکر میں اس کے گیا وہ سب نثار

آپ اپنے کو جو پہچانے یہی ہی معرفت
ذرہ ذرہ میں ابھی ہوا اس کا جلوہ آشکار

صبر اور استقلال لازم ہی بشر کو وقتِ بلا
عقل کو بیکار کر دیتا ہی دل کا انتشار

ہو تہور لاکھ بھی مرد سپاہی میں تو کیا
کام دیتی ہی فقط ہمت بوقت کارزار

قدرتیں سب کچھ ہیں پھر کچھ کر نہیں سکتا بشر
اور کیا تم کو بتاؤں کیا ہی جبر و اختیار

ہاں لگا دے منہ سے خم ای ساقیِ دریا نوال
چشت کے میخانہ کا میں ہوں پرانا بادہ خوار

شاد کی سب مشکلیں آسان ہو جائیں ابھی
فضل گر ہو جائے تیرا ای مرے پروردگار

غزل بتاریخ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ روز سہ شنبہ مقام مسند

عشق منظور ہی گر، سوزِ جگر پیدا کر
دیکھنا ہی جو اُسے پہلے نظر پیدا کر

تیری فریاد سے کیا خاک پسیجے کوئی
اپنے دل میں تو ذرا پہلے اثر پیدا کر

نیکنامی ہی جو منظور زمانے میں تجھے
سیکھ تو علم کوئی یا کہ ہنر پیدا کر

عشق کہتے ہیں جسے کھیل نہیں لڑکوں کا
سوزِ پنہاں سے ابھی دل میں اثر پیدا کر

شمع بننا تو ہی دشوار حقیقت میں مگر
مثلِ پروانہ ابھی سوزِ جگر پیدا کر

طاعتیں گر نہیں ہوتیں تو خطائیں ہی سہی
جس طرح ہو دلِ محبوب میں گھر پیدا کر

نہ سہی کعبہ تو بت خانہ ہی اچھا ہے شاد
سجدہ کرنے کے لئے کوئی تو در پیدا کر

غزل بتاریخ ۲۰۔ شوال ۱۳۳۴ھ بروز یکشنبہ بمقام تاج محل مبارک

کیا حاصل یہی روزِ ازل سے مبتلا ہو کر
ہوا ہیگا نہ عالم سے ہیں تیرا آشنا ہو کر

یہی معراج ہے قطرہ کا دریا میں فنا ہونا
بقائے دائمی حاصل ہوئی تجھ میں فنا ہو کر

ہمیشہ وصل ہے حاصل نہیں دم بھر کو بھی دوری
تو ہی کہدے کہاں جاؤں گا میں تجھسے جدا ہو کر

بلیٰ کہکر بلا میں پھنس گیا میں ہائے رے غفلت
بلیٰ کہنا مرا نازل ہوا مجھ پر بلا ہو کر

ق

حقیقت آشنا ہوں چھپکے جاؤگے کہاں مجھسے
نہ پہچانوں گا کیا میں تم کو صورت آشنا ہو کر

رہے کیا دل کے مندر میں جو بت بنکر رہے صاحب
اسے کعبہ بنا کر تم رہو شانِ خدا ہو کر

نہیں بھولا وہ قولِ نحن اقرب یاد ہے اس کو
بھلا کب شاد رہ سکتا ہے تم سے دوسرا ہو کر

ردیف (ق)

غزل بتاریخ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ بمقام تاج محل

تو ہی واحد تو ہی قادر ہے قدیر مطلق
بلبلیں پڑھتی ہیں وحدت کا گلستاں میں سبق

ذات برحق ہے تری اور صفات و اسما
نہیں کچھ شبہ و شک اس میں ہے الحق الحق

ترے واصل کو ہمیشہ ہے نصیب اطمینان
نہ اسے رنج ہے نہ فکر نہ ہے کوئی قلق

خلق الآدم ہے فرمان ترا برحق ہے
ہوئی اس شکل میں ظاہر تری ذاتِ مطلق

واصلِ ذات کو دوزخ سے خطر ہی کیا ہے
کس طرح پانی کا آتش پہ الٰہی ہو سبق

للہ الحمد قل الروح کا اسرار کھلا
تو نے ہی قالبِ آدم کو یہ بخشی رونق

معرفت کا جو سبق ہے وہ بکار آمد ہے
کیا ہوا لاکھ کتابوں کے الٹ دے جو ورق

خاک کے پتلے کی کیا خاک حقیقت میں کہوں
اپنی ہستی کو ہوئی ذات سے تیری رونق

ناخدا اب کے سفینے کا بنا ہے جب تو
کیوں کنارے پہ نہ جا پہنچے بھلا یہ ورق

دلِ ویرانہ بھی آباد تجھی سے یارب
کیسے آباد ہوا تجھ سے ہی ویراں جو تق

نور کیا دیکھے نہ ہو جس کو بصیرت حاصل
جس سے آنکھوں میں چکاچوند وہ شانِ ابرق

دیکھنے والا تجھے دیکھے ہی ہر صورت میں
یاسمن یا کہ ہو نسرین گلاب و زنبق

ترے مستوں کا جو خلعت ہے وہ ہے صرف گلیم
لاکھ پہنے کوئی کمخواب کوئی استبرق

جو نہ پہچانے تجھے اور نہ دیکھے تجھ کو
اس کے چہرے پہ ندامت سے نہ کیوں آئے عرق

ہے دعا شاد کی یارب کہ بوقت آخر
نظر آئے اسے بس تیرا ہی نورِ مطلق

ردیف (گ)

غزل بتاریخ ۱۴۔ رمضان ۱۳۳۲ھ مقام سند

یہ کس کا ہے روپ کس کا ہے رنگ
یہ کس کی امنگ کس کا ہے ڈھنگ

ہر رنگ میں رنگ ہیں ہزاروں
قرباں۔ ہیں تیرے کیسے نیرنگ

تصویرِ بشر ہو کیوں نہ مرغوب
اُس نے اپنا ہی بھر دیا رنگ

جس وقت نظر پڑی کسی پر
آئینہ بھی دیکھ کر ہوا دنگ

تو ہی تو ہے تو پھر بتا دے
ہے دیر و حرم میں کس لیے جنگ

ہے نالہ مرا عجب سُریلا
مرغوب ہے سب کے یہ خوش آہنگ

جب عقدہ کشا وہی ہے اک شاد
کس واسطے پھر ترا ہے دل تنگ

ردیف (ل)

غزل بتاریخ ۱۷- ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ مقام مسند

تا چند اُس کے جور کے صدمے اُٹھائے دل
پتھر نہیں ہے سینے میں جو تاب لائے دل

مشہور اُس کا ہو کے میں بدنام ہو گیا
اب رفتہ رفتہ دیکھیے کیا کیا دکھائے دل

آئے اگر وہ غیرتِ گل میرے باغ میں
دل شاد باغباں ہو اور پھول جائے دل

کس طرح بیوفا پہ کرے کوئی اعتبار
کس طرح اُس سے کوئی پھر اپنا لگائے دل

در پردہ اپنا کام یہ کرتی ہے رات دن
قاتل کی تیغ ناز سے کیونکر بچائے دل

ہم اُس سے کیا ملے کہ بس اپنے سے کھو گئے
تھی عاشقی میں اُس کی یہی تو سزائے دل

میں بیچتا ہوں مفت جو ہو مشتری کوئی
ارزاں ہوا اُس سے شاد کہو کیا بہائے دل

غزل بتاریخ ۴- شعبان ۱۳۳۳ھ ہجری

لیا تم نے جو میرا دل حسابِ دوستاں در دل
گلا کرنے سے کیا حاصل حسابِ دوستاں در دل
تمہاری بیوفائی کا عبث ہے گر کروں شکوہ

جلاؤ تم نہ میرا دل حسابِ دوستاں دردل

نہ شرماؤ ذرا آئینہ کو دیکھو اِن آنکھوں سے

اُٹھاؤ پردۂ محمل حسابِ دوستاں دردل

حسد چھوڑو تعصب کو مٹاؤ بغض جانے دو

کرو تم صاف اپنا دل حسابِ دوستاں دردل

ستانے سے مجھے تم کو مزا آتا ہی اچھا ہی

نہ ہوگا اس سے کچھ حاصل حسابِ دوستاں دردل

کرو ایفا ذرا وعدہ شکایت کیا ہی شکوہ کیا

کہ تم سے ہو گی حل مشکل حسابِ دوستاں دردل

تمھیں سے اُس کو زینت ہی تمھیں سے دل کو راحت ہی

مسرت کی ہی یہ محفل حسابِ دوستاں دردل

نہ ہو غافل رہو ہشیار اُس کی راہ میں ہر دم

یہی ہی سخت اک منزل حسابِ دوستاں دردل

نہ کعبہ ہی نہ مندر ہی سمجھتے کیا ہو تم ای شاد

خدا کا گھر ہی میرا دل حسابِ دوستاں دردل

غزل بتاریخ ۳۔ جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ مقام تاج محل روز جمعہ حسب فرمائش کلیمی شاہ

کیا نہیں تھا مستحق میں تیرا المعانِ جمال
طور پر جا کر گری کیوں برق تابانِ جمال

زلف و رخ دونوں کی دو شانیں نرالی ہیں تری
ایک ہی شانِ جلالی دوسری شانِ جمال

کنت کنزاً کہہ کے پھر اپنے کو ظاہر کر دیا
کس طرح ممنون ہوں میں تیرے احسانِ جمال

اپنی ہی ہستی کو سجدہ کرتے ہیں ہم سو بسو
جس طرف دیکھو نظر آتا ہے سلطانِ جمال

ربّ ارنی طور پر موسیٰ نے بھی جا کر کہا
میرے ہی دل میں نہیں ہے صرف ارمانِ جمال

نور اپنا ہی نظر آتا ہے ہم کو ہر طرف
ہیں ہمارے جلوے ہر سو ہم ہیں شایانِ جمال

لالہ و گل میں نظر آتی ہیں جو رنگینیاں
کہتے ہیں عاشق اسے خونِ شہیدانِ جمال

آ گیا جس شان میں وہ رکھ لیا اک نام بھی
آپ اپنے کو پکارا ہیں میں ہوں سلطانِ جمال

میری ہستی ہی سے ہیں ساری چمن آرائیاں
کیا کوئی اس کے سوا بھی ہے گلستانِ جمال

تا بکے دیر و حرم میں تو کرے گا جستجو
اپنے ہی میں وہ نہاں ہے شاد سلطانِ جمال

ردیف (م)

غزل۔ مشاعرہ عرس حضرت داؔغ مرحوم بتاریخ ۲۵۔ صفر ۱۳۳۲ھ روز یکشنبہ

بمقام مسند مبارک

ہیں لاکھ تیرے عشق میں قابل جفا کے ہم
لیکن ہیں مستحق بھی مری جان وفا کے ہم

دیوانے ہی رہے تری زلف دوتا کے ہم
چھوڑا نہ اُس کا عشق ہیں ایسے بلا کے ہم

شکر خدا کہ اوج پہ اپنا نصیب ہے
عاشق ہوئے ہیں جب سے کسی مہ لقا کے ہم

چھوٹا کبھی نہ چھوٹے گا اُس بیوفا کا ساتھ
پالے پڑے ہیں ایسے دلِ مبتلا کے ہم

ظاہر میں توبہ دل میں ہے شوقِ شراب ناب
قائل نہیں کبھی بھی کسی پارسا کے ہم

خود درد۔ دردِ عشق کا اپنے علاج ہے
خواہاں مسیح سے بھی نہونگے وفا کے ہم

حور و قصور کے لیے کرتا ہے تو دُعا
قائل نہیں ہیں شیخ تری اس دعا کے ہم

دیوانے تیری زلف کے مشہور ہو گئے
روزِ الست سے ہیں فدا اس بلا کے ہم

کس طرح ہو نہ قدر ہماری جہان میں
کہلائے جاں نثار کسی بیوفا کے ہم

قیدِ جنوں سے اب کہیں جا سکتے ہی نہیں
پابند ہو گئے تری زلفِ رسا کے ہم

کس طرح شیخ ہم کہیں۔ مرنا ہے ایک دن
قائل فنا کا تو ہے تو قائل بقا کے ہم

ذاکر رسول پاک کا کہتے ہیں سب ہمیں
رہتے ہیں جب سے وِرد میں صلِ علیٰ کے ہم

دیکھیں تو پردہ ہم سے کہاں تک کرینگے وہ
اب ہاتھ دھو کے پیچھے پڑے ہیں حیا کے ہم

مسند پہ بیٹھنے کے وہ دن اب کہاں رہے
شیدا ہیں دل سے فرنیچر و بوریا کے ہم

ہے وحدت الوجود کا یہ صاف مسئلہ
اپنا خدا ہے اور ہیں بندے خدا کے ہم

معبود و عبد کی یہی شانِ نزول ہے
ہیں ابتدا کے آپ تو ہیں انتہا کے ہم

بندے ہیں ہم غنی کے غنی ہے ہمارا دل
محتاج ہیں نہ شہ کے نہ ہیں کچھ گدا کے ہم

اے بے نیاز کر دے ہمیں بھی تو بے نیاز
پابند تا بہ کی رہیں خوف و رجا کے ہم

ترکِ جفا ہے لطف کا ہم پر ستم ہے اب
جب یہ سمجھ لیا کہ ہیں خوگر جفا کے ہم

پیغام بر سے دل میں ہزاروں ہیں وسوسے
پیغام اپنا یار کو خود دیں گے جا کے ہم

سرکارِ حسن میں بھی ہے اندھیر کس قدر
قابل عطا کے غیر ہے لائق سزا کے ہم

دل وعدۂ وفا پہ دیا ہے نہ دیں کبھی
بیٹھے ہیں پہلے ہی سے تجھے آزما کے ہم

دل دے کے ہیں غضب میں فرمائش اُنکی ہے
ایسے ہی اور دیں انھیں دو چار لا کے ہم

دیتا ہے ہم کو شاد سبھی کچھ وہ بے طلب
قربان کیوں نہ جائیں گے ایسے خدا کے ہم

ردیف (ن)

غزل بتاریخ ۱۰ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ چہارشنبہ بمقام کوہ شریف

تیری حکومت۔ تیری عظمت۔ تجھ کو یارب زیب و شایاں
تیری جلالت تیری قدرت جس نے دیکھی ہوگیا حیراں

غیر نہیں ہی اور نہیں ہی۔ دونوں جہاں میں کوئی نہیں ہی
تو ہی یکتا تو ہی رہے گا سمجھے گا اس کو جو ہی انساں

گل بھی ہیں تیرے شاخ بھی تیری خار بھی تیرا ہار بھی تیرا
تیرا چمن ہی تیرا وطن ہی۔ تیری زمین و چرخِ گرداں

آئینہ تو ہی۔ عکس بھی تو ہی۔ صورت تو ہی معنی تو ہی
اوّل تو ہی۔ آخر تو ہی۔ تو ہی عیاں ہی۔ تو ہی پنہاں

تجھ میں ہی قدرت سب سے بڑھکر۔ شان ہی تیری لدفع و اعلےٰ
عاجز آدم۔ حیراں ہر دم۔ فعل ہی نادم۔ فہم پشیماں

سُن لے یارب میری دعا تو۔ تیری مدد کی اب ہی ضرورت
عاجز ہوں دشمن سے اپنے حال ہی میرا اب تو پریشاں

کوئی نہ حامی کوئی نہ والی اپنی اپنی سب کو سوجھی
تیرا بھروسہ مجھکو ہی مولیٰ شادؔ کو کر دے اب تو شاداں

غزل بتاریخ ۸- جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ مقام کوہ شریف

وہ بے وفا جو حال پہ اب مہرباں نہیں
منظور رہی ستانا مراد امتحاں نہیں

کیا اپنی زندگی کی سناؤں میں داستان
اک راز ہی جو لائقِ شرح و بیاں نہیں

وہ مرغ ہوں کہ دامِ محبت ہی گھر مرا
دل میں تو اس کے ہوں میں اگر آشیاں نہیں

پاس نمک ہی مانعِ اظہارِ مدّعا
شکوہ کروں میں کیا مری بس میں زباں نہیں

اگلی سی مجھ سے اس کو محبت نہیں رہی
اس کا ثبوت یہ ہی کہ وہ بدگماں نہیں

گر دیکھنا ہی اُس کو تو بس مجھ کو دیکھ لو
مجھ سے عیاں نہیں ہی تو پھر کچھ نہاں نہیں

بس اب سُنا نہ مجھ کو کہ طاقت نہیں رہی
بہ داشت کیا کروں کہ وہ تاب و تواں نہیں

اب تو ذری سی چھیڑ پہ بھرتا ہوں آہ میں
واللہ مجھ میں طاقتِ ضبطِ فغاں نہیں

طفلی سے دیکھتا ہوں طبیعت شریر ہی
کچھ منحصر شباب ہی پہ شوخیاں نہیں

دشمن ہزار بر سر آزار ہو تو کیا
اللہ میری جان کا کیا پاسباں نہیں

کافی ہی لطفِ حق مجھے ای شادؔ خوف کیا
ہاں میرے حال پر جو کوئی مہرباں نہیں

غزل بتاریخ ۸۔ رجب المرجب ۱۳۳۲ھ مقام کوہ شریف

بیوفا ہی اپنا یہ دل پاسداری کیا کروں
غم کروں کس کے لیئے میں غمگساری کیا کروں

اپنا سمجھوں میں کسے بیگانہ سمجھوں کس کو میں
دوست بھی دشمن بنے ہیں دوستداری کیا کروں

کس کے در پر جاؤں میں کس سے کروں بار سوال
ناامیدی جب ہوئی اُمیدواری کیا کروں

وصل کی تھی جو تمنّا آج پوری ہوگئی
بیقراری تھی کبھی اب بیقراری کیا کروں

فقر سے عزّت ہی میری فخر ہی میرے لیئے
چھوڑ کر باطن کی شاہی تاجداری کیا کروں

کہتے ہیں مجھ کو گدائے خواجہ سارے اہلِ چشت
منعمو تم ہی کہو اب شہریاری کیا کروں

نشہ وہ سر میں ہی میرے جو نہ اُترے گا کبھی
شاداب تم ہی کہو میں بادہ خواری کیا کروں

غزل بتاریخ ۱۰۔ رجب المرجب ۱۳۳۲ھ بمقام کوہ شریف

خانۂ دل کعبہ ہی یہ کوئی بتخانہ نہیں
بے دھڑک آ جاؤ اس میں کوئی بیگانہ نہیں

نغمۂ توحید ہم سے سُن کے واعظ راگ کا
اپنی بیتی ہی یہ کچھ غیروں کا افسانہ نہیں

ہی یہ کاشانہ کسی کا اپنا یہ خاکی وجود
اے برہمن یہ بتوں کا کوئی بتخانہ نہیں

آنکھ سے اس نے ملائی آنکھ کیفیت ہوئی
یہ نشیلی آنکھ ہی پُر مے سے پیمانہ نہیں

ذکر سے رندوں کے واعظ تو ابھی واقف نہیں
یہ تو ہو حق کی صدا ہی شورِ رندانہ نہیں

آپ ہی کے دم قدم سے گھر مرا آباد ہی	خانۂ دل آپ کا ہی کوئی ویرانہ نہیں

عینِ مستی میں بھی رہتا ہی اُسے پاسِ ادب
ہاں بڑا ہشیار ہی کچھ شاد دیوانہ نہیں

غزل ۱۰- رجب ۱۳۳۲ھ بمقام کوہ شریف

شیخ ہم سے نہ اُلجھ دیکھ جتا دیتے ہیں	رند بھی ایسے ہیں ہم حق سے ملا دیتے ہیں
بیوفا کیا نہ مجھے وہ سمجھے ہوئے تھے اب تک	کیا سبب جو مجھے پیغامِ وفا دیتے ہیں
وصل کی راہ نکالی ہی اُنھوں نے یہ نئی	خواب میں آ کے مجھے وہ جگا دیتے ہیں
تیرے دروازہ پر حاضر ہیں خبر لے اِن کی	ہیں دُعا گو ترے درویش صدا دیتے ہیں
روندا کر پاؤں سے مردہ مرا وہ بعدِ فنا	کہتے ہیں لاش کو مٹی میں دبا دیتے ہیں
متوکل ہیں توکُّل ہی ہمارا پیشہ	منعموں سے ہمیں کیا کام وہ کیا دیتے ہیں
قہر اور مہر یہ دو کام ہیں توام اُس کے	کوستے بھی ہیں مجھے اور دُعا دیتے ہیں
باغِ عالم کے گُلوں سے ہی یہاں کس کو اُمید	کہ کہیں وہ کبھی ہمیں بوئے وفا دیتے ہیں

شاد کو دیکھ کے کہتا ہی یہی پیرِ مغاں
آ تجھے ساقیِ کوثر سے ملا دیتے ہیں

غزل بتاریخ ۱۱- رجب سنہ ۱۳۳۲ھ بمقام کوہ شریف

شکر ہی ہو گئی شرکت مری میخواروں میں
نام لکھوا لیا میں نے بھی گنہگاروں میں

تیرے مستوں میں گنا جاتا ہوں جس روز سے میں
شرم آتی ہی کہ بیٹھا رہوں ہشیاروں میں

بیوفا مجھ کو نہ کہنا یہ ذرا یاد رہے
میں بھی اک فرد ہوں اے یار وفاداروں میں

آتشِ غم میں شب و روز جلا جاتا ہوں
دل کو ڈالا ہی دہکتے ہوئے انگاروں میں

گیسوئے یار سے ہر دم ہی یہی میرا سوال
ہاں بنائے تو مجھے اپنے گرفتاروں میں

جا چکا سوئے عدم قافلہ مشتاقوں کا
رہ گیا میں ہی فقط تیرے طلبگاروں میں

آج کل مکر و دغا ہی جو پسندِ خاطر
ہم بھی مل جائیں گے اُس شوخ کے عیاروں میں

کب سے تعلیم ہوئی تم کو جفاکاری کی
تم تو مشہور نہ تھے ایسے جفاکاروں میں

باغِ توحید میں کثرت سے ہیں کانٹے عارف
کہیں دامن نہ اُلجھ جائے ترا خاروں میں

سرِ محشر یہ مجھے کہتی ہی رحمت اُس کی
نام لکھوا لے تو اپنا بھی گنہگاروں میں

صاحبِ علم و ہنر اور ادیب و شاعر
ایسے ہی لوگ رہا کرتے ہیں سرکاروں میں

جب شرارت گئی پھر فقر کی شاہی پائی
بر سرِ کار رہے کب رہے بیکاروں میں

اب کسی تکیہ میں اے شاد لگائیں تکیہ
کام کیا اپنا سلاطین کے درباروں میں

غزل

بتاریخ ۱۳- ذی حجہ ۱۳۳۲ھ مقام تاج محل

اُسی یکتا کا مظہر سارے گورے اور کالے ہیں
یہ جتنے ہیں سب اُس نے ایک ہی سانچے میں ڈھالے ہیں

لگائی آگ گردوں میں مچائی دھوم عالم میں
غضب کی میری آہیں ہیں بلا کے میرے نالے ہیں

عجب انداز سے مشغول سیرِ دیر و کعبہ ہیں
اُدھر تسبیح ہاتوں میں اُدھر گردن میں مالے ہیں

خدا کے ہاتھ میں ہے یہ شکست و فتح جو کچھ ہے
عبث ہیں پلٹنیں ساری عبث سارے رسالے ہیں

جسے دیکھو پرایا مال لینے پر ہے آمادہ
بہت کم ہیں خدا کے نام پر جو دینے والے ہیں

دھنی تلوار کے جو ہیں دلیروں کے جو بہادر ہیں
کہیں وہ مردِ میداں معرکہ سے ٹلنے والے ہیں

سخی بھی ہے بہادر بھی کریم اور بندہ پرور بھی
زہے تقدیر اپنی جو پڑے ایسے کے پالے ہیں

یہ خالی جائیں کیا ممکن قیامت ڈھائینگے اک دن
انھیں اچھی طرح تم یاد رکھنا میرے نالے ہیں

بنا دے دوسرا کوئی بھلا اپنے مقابل کا
اگرچہ اس زمانے میں ہزاروں حُسن والے ہیں

الٰہی کس طرح طے ہوگی راہِ آخرت دشوار
گنہ کا بوجھ سر پر پاؤں میں عاصی کے چھالے ہیں

کرو تیاریاں اے شاد خیرِ مقدم شہ کی
حضورِ آصفِ ذی جاہ گھر میں آنے والے ہیں

غزل

بتاریخ ۲۳- ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ پنجشنبہ مقام تاج محل

ہوتی ہے یاس کیا کیا عاشق کو بیکسی میں
بنتی ہے دم پر آخر رہتی ہے جی کی جی میں

وہ لطف ہے کسی پہ مرنے میں مجھکو حاصل
ممکن نہیں کہ ایسا ہو لطف زندگی میں

کوئی ملے نہ رہبر یارب جو غافلوں کو
کس طرح عمر ان کی گزرے نہ گمرہی میں

نعمت ہے اک خدا کی اے جان ملاپ دل کا
کیا لطف آئیگا پھر اس دل کو بیدلی میں

ہر جائے نور اُس کا دیکھا ہے جلوہ افروز
شمعِ حرم میں ہو یا مندر کی آرتی میں

باتوں میں اُڑ رہی ہیں باتیں ہیں جتنی میری
سب کچھ وہ کہہ رہے ہیں مجھکو ہنسی ہنسی میں

دے جام بھر کے ساقی فکروں میں مبتلا ہے
دل شاد کا بہلتا ہے ایسی دل لگی میں

ق

ابتر ہے حالِ یورپ یارب بخیر انجام
کیا جانے کیا ملیگا اس جنگِ زرگری میں

کہدے یہ کوئی جاکر زر کو لڑو نہ اب تم
ہے فائدہ اگر کچھ ہے صلح و آشتی میں

غافل ہے آجتک بھی ہندوستاں ہمارا
آئیگا کب یہ آخر دانش میں آگہی میں

ہنگامِ تنگدستی در عیش کوش مستی
کایں کیمیائے ہستی قاروں کند گدا را

غزل بتاریخ ۱۶ صفر ۱۳۳۳ھ روز یکشنبہ مقام مسند

دلِ شیدا پہ وہ جب جور و ستم کرتے ہیں
میں سمجھتا ہوں کہ بندے پہ کرم کرتے ہیں

ہوتی ہے کوچۂ جاناں میں تسلّی ہم کو
جیتے جی شکر ہے گلگشتِ ارم کرتے ہیں

کم سخن ایسے ہیں وہ غنچہ دہن ہیں گویا
بات آہستہ بھی کرتے ہیں تو کم کرتے ہیں

بنتی ہے دم پہ یہاں دیکھ کے اندازِ حجاب
پردے پردے ہیں بھی اب تو وہ ستم کرتے ہیں

صبر پر تکیہ ہے جن کو بہت اچھے ہیں وہ لوگ
فکر کرتے ہیں نہ کچھ رنج والم کرتے ہیں

جب تصور میں نظر آتی ہے اُس کی صورت
پڑھ کے ہم سورۂ اخلاص کو دم کرتے ہیں

جس قدر میکدۂ عشق کے ہیں بادہ پرست
کفر و اسلام کو نئے شبہ بہم کرتے ہیں

کعبے والے ہوں کہ ہوں بتکدے والے یارب
سر تسلیم تری راہ میں خم کرتے ہیں

قطرۂ اشک بھی عرفان کا آئینہ ہے
اہلِ بینش جو ہیں نظارۂ یم کرتے ہیں

بت پرستی کہیں چھٹتی ہے نظربازوں سے
ایسے کافر بھی کہیں ترکِ صنم کرتے ہیں

بندے اس کے ہیں جسے کہتی ہے سب خلق غنی
ہم کہاں شاد تمنائے کرم کرتے ہیں

غزل بتاریخ ۱۷- ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ روز پنجشنبہ مقام سندہ

وہ میرے دل میں آتے ہیں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں
نگاہوں میں سماتے ہیں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں

محبت ہے رقیبوں سے تو نفرت ہے رفیقوں سے
وہ ہم سے دل لگاتے ہیں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں

جلے دل کا جلانا اُن کو ہی مقصود اسے قاصد
لگی وہ کب بجھاتے ہیں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں
ستانا اُن کا بے معنی نہیں ہی جانتا ہوں میں
وہ مجھ کو آزماتے ہیں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں
چھڑکتے ہیں نمک زخموں پہ ہنس ہنس کر سرِ محفل
وہ آنسو کب بہاتے ہیں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں
وہ ہیں چھائے ہوئے عالم میں ہر جا ان کا جلوہ ہی
نہ آتے ہیں نہ جاتے ہیں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں

نہ چاہے گر خدا ای شاد تو کیا کر سکے کوئی
وہ کب بگڑی بناتے ہیں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں

غزل بتاریخ ۲۱- جمادی الاول ۱۳۳۳ھ روز چہارشنبہ مقام سند

ڈھونڈھتا ہوں اُسے جب خود کو مٹاتا ہوں میں
آپ اپنے ہی میں اُس شوخ کو پاتا ہوں میں
جس گھڑی اپنے تصور کو جماتا ہوں میں
جلوۂ یار کو ہر ذرے میں پاتا ہوں میں
بیخودی جو ہی مری عین ہشیاری ہی
اس لیے اپنے کو دیوانہ بناتا ہوں میں
جب بہار آتی ہی ہوتا ہی جنوں سر پہ سوار
دھجیاں دامن صحرا کی اُڑاتا ہوں میں

مری آنکھوں میں سمایا ہی کوئی پردہ نشیں
غیر کو دیکھنے سے آنکھ چراتا ہوں میں

تری آواز کے سننے کا ہوں ہر دم مشتاق
شورِ ناقوس پہ بھی کان لگاتا ہوں میں

شاد ہر ذرّہ سے خورشید عیاں ہوتا ہی
کبھی توحید کی مستی میں جو آتا ہوں میں

غزل بتاریخ ۲۱- جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ روز چہارشنبہ مقام سند

بادۂ خمخانۂ توحید کا مے نوش ہوں
جو رہوں مستی میں ایسا بیخود و مدہوش ہوں

گرد پھرنے دے مجھے ساقی یہ میرا فرض ہی
مثلِ ساغر دور میں ہوں بادۂ سر جوش ہوں

محوِ ذوقِ معرفت ہوں اور مستِ عشق بھی
روزِ اول ہی سے میں خمارِ دوش ہوں

طرزِ خاموشی مری بتلاتی ہی اس راز کو
ہوں نوا سنجِ حقیقت لاکھ میں خاموش ہوں

سب کی سن لیتا ہوں جی کی بات کہتا ہوں مدام
گرچہ ہوں سامع مگر میں نارسائے گوش ہوں

حالِ عبرت زا ہی میرا کب کسی کو ہی خبر
فارغ اندیشے سے ہوں میں محوِ نا و نوش ہوں

دردمندِ عشق ہو کر ضبط کا خوگر ہوں میں
صورتِ سیماب ہو کر پیکرِ خاموش ہوں

دیکھتا ہوں آپ اپنے میں تماشا میں ترا
پا گیا ہوں سرِ وحدت حقیقت کوش ہوں

کس کی فرقت وصل کس کا اور ہی معشوق کون
شاد میں اس عالمِ تکویں سے ہم آغوش ہوں

غزل ۲۷- جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ روز پنجشنبہ بمقام مسند

نہیں ہے درد جو دل میں تو پھر گداز نہیں
جو یہ نہیں ہے تو پھر سوز اور ساز نہیں

کسی کی شان کا دن رات دھیان رہتا ہے
ہے ربط دید سے گو صاحبِ نماز نہیں

مرا جو تکیہ ہے وہ صرف اک توکل ہے
مجھے یہ جانتے ہیں سب زمانہ ساز نہیں

ترے ہی خوانِ کرم سے ہے میزبانی سب
بغیر تیرے کوئی میہماں نواز نہیں

ہزار کوئی کرے رات دن جبیں سائی
کب آئے لطف اگر سجدۂ نیاز نہیں

ہمارے شوقِ تمنّا کا ہے یہی فتویٰ
جو تم میں ناز نہیں ہے یہاں نیاز نہیں

ہمیشہ ربط ہے مستی سے بیخودی سے مجھے
یہاں تو ما و شما کا کچھ امتیاز نہیں

جو میرا کعبہ ہے اُس کا طواف کرتا ہوں
مرا جو عشق ہے منت کشِ حجاز نہیں

غلط ہے شاد اگر کوئی یہ کہے تجھ کو
کہ دل سے اپنے تو محمود کا ایاز نہیں

غزل ۴- رجب المرجب ۱۳۳۲ھ بروز چہارشنبہ بمقام مسند مبارک

خود آرزو بنا ہوں جبھی آرزو نہیں
میں کب ہوں آئینہ میں جو تو روبرو نہیں

ساری ہے تن میں میرے کھلے بندوں کیفیت
میں وہ شرابِ ناب ہوں کہ اسیرِ سبو نہیں

ہر رنگ اور روپ میں میرا سروپ ہے
وہ کونسی جگہ ہے جہاں میں ہوں تو نہیں

کس باغ میں نہیں ہے بتا دے تری بہار
کس گل میں تیرا رنگ نہیں کس میں بو نہیں

ظاہر میں گو چہ قطرہ ہوں معنی میں بحر ہوں
لُولُوئے آبدار سے کم آبرو نہیں

بیہوش کس کو دیکھ کے موسیٰ ہوئے ہو تم
خاموش کس لیے ہو وہ اب گفتگو نہیں

کرتا ہوں سجدہ شاد اُسے دیکھتا ہوں جب
کیوں کر پڑھوں نماز جو وہ روبرو نہیں

غزل بتاریخ ۸ - رجب ۱۳۳۲ھ روز یکشنبہ مقام مسند

جانتے بوجھتے انجان بنے بیٹھے ہیں
کیسے دانا ہیں کہ نادان بنے بیٹھے ہیں

وہ تعین سے منزّہ ہیں مگر لطف یہ ہے
پھر مری شکل میں انسان بنے بیٹھے ہیں

آپ اپنے کو وہ پجواتے بھی ہیں مندر میں
کعبے میں صاحب ایمان بنے بیٹھے ہیں

ایسے انداز پہ سودا نہو کس عاشق کو
کھولکر زلف پریشان بنے بیٹھے ہیں

میزبان اُن کا سا ہم نے تو نہ دیکھا نہ سُنا
سارے عالم کے وہ مہمان بنے بیٹھے ہیں

بحر کوزے میں سمایا ہے سمانا دیکھو
شکل قطرہ میں وہ طوفان بنے بیٹھے ہیں

ہم تو سُنتے تھے کہ لائے ہیں بتوں پر ایمان
کعبے میں شاد مسلمان بنے بیٹھے ہیں

غزل

بتاریخ ۵ شعبان ۱۳۳۳ھ روز شنبہ مقام تاج محل

اسی پر جان دیتے ہیں اُسی کو یاد کرتے ہیں
زمانہ بیوفا کہتا ہے جس کو اُس پہ مرتے ہیں

وفاداری ہماری قابل تعریف ہے دیکھو
ستم گر بیوفا پر جان ہم دیتے ہیں مرتے ہیں

گلا کیا ہے جو اُن کو وصل کے وعدے سے ہے انکار
ہمیشہ وہ مکرتے آئے ہیں اب بھی مکرتے ہیں

جفا و بیوفائی ہے ہمیشہ سے شعار اُن کا
وفا کا وعدہ جھوٹا ہے وفا وہ کس سے کرتے ہیں

کرے گر دشمنی کوئی نہیں کچھ اس کی ہاں پروا
یقیں جن کو خدا پر ہے کسی سے کب وہ ڈرتے ہیں

ہمیشہ دیکھتے ہیں وہ غضب آلودہ نظروں سے
خدا جانے کہ دشمن کان کیا ہر روز بھرتے ہیں

تصدق جاؤں اُس شوخی کے جب آتے ہیں محفل میں
اداؤں سے نکھرتے ہیں تو غمزوں سے اُبھرتے ہیں

عجب ستار نکالا ہے ہمارے دل میں آنے کا
وہ پہلے آنکھوں میں آتے ہیں پھر دل میں اُترتے ہیں

رہے یہ جان یا جائے یہی مردانگی ہے شاد
جو دل میں ٹھان لیتے ہیں اُسے ہم کر گزرتے ہیں

غزل

بتاریخ ۲۰ شعبان ۱۳۳۳ھ روز چہارشنبہ مقام سند

رونمائی اُسے ہر چند کہ منظور نہیں
رگ گردن سے وہ کچھ بھی تو مگر دور نہیں

دیر و کعبہ میں عیاں صاف ہے جلوہ اُس کا
ہو اگر آنکھ تو نظروں سے وہ مستور نہیں

سامنے آنے کی گر راہ نہیں ہے تو نہ ہو
کچھ مرے دل میں تو آنے سے وہ مجبور نہیں

مثل پروانہ کے جل جائے مگر اف نہ کرے
عشق میں نالہ و فریاد کا دستور نہیں

آنکھ ہو دل ہو شجر ہو کہ حجر ہو کچھ ہو
کونسا گھر ہی کہ جلوہ ترا معمور نہیں

کس زباں سے کرے اب کوئی انا کا دعوے
اس زمانے میں وہ شبلی نہیں منصور نہیں

چشم مستانۂ ساقی کے تصدق ای شاد
ایسے پیمانہ سے دل کونسا مسرور نہیں

غزل بتاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ مقام اورنگ آباد باغ الولیہ

جب نور احد کا آ چمکا اس دل کے درباروں میں
وحدت آئی کثرت میں یار ملا اغیاروں میں

رنگ دکھایا ایسا اچھوتا ابتک نہ کسی نے دیکھا تھا
گل میں مل میں کوہ و بیاباں در میں اور دیواروں میں

واہ رے کالی کملی والے ملک عرب کے راج دلارے
روح بدن میں جیسے چھپی ہی ایسے چھپا تھا غاروں میں

ملک عرب میں ہوا پیدا سرور ساری خدائی کا
کون ہوا ہی آج تک ایسا سرکاروں میں سرداروں میں

جگ سے الگ اک پنتھ بنایا سب دلوں پر قابو پایا
ایسی محبت ایسی الفت دیکھی نہیں غم خواروں میں
خُلقِ مجسم کہتے ہیں جس کو ذات مبارک تھی اس کی
دلبر بن کر دل کو لبھایا ایسا رہا دلداروں میں
عالم فاضل اہلِ دانش سب کے سب کو راز خدا کا
بتلا دیا باتوں باتوں میں اور اشاروں اشاروں میں
بھر کے پلا دے جام محبّت بھٹی تری آباد رہے
گنتی لگا دے میرے داتا اپنے ہی میخواروں میں

شاد رہے گی جب تک دنیا نور رہے گا باقی اُس کا
باغ و صحرا دیر و حرم میں ارض و سما سیّاروں میں

غزل بتاریخ ۲۹-جمادی الاول ۱۳۴۲ھ روز دوشنبہ تاج محل

دیر میں جاتے ہیں کعبے میں پھرا کرتے ہیں
دھیان میں تیرے ہیں کیا ہم یہ کیا کرتے ہیں

باغ میں دشت میں جو چیز نظر آتی ہی
تیری تصویر سمجھ کر ہی تکا کرتے ہیں

حرزِ جاں اپنا بناتے ہیں ترے ذکر کو ہم
لوحِ دل پر اسے ہم نقش کیا کرتے ہیں

چین آتا ہی اُسی سے ہی اُسی سے تسکیں
اِس لیے ذکر ترا دل میں کیا کرتے ہیں

نفی و اثبات سے ہم کرتے ہیں صیقل ہر دم — دل کے آئینہ کو اس طرح صفا کرتے ہیں

جب کبھی سننے میں آتا ہے ترا پیارا نام — حالت وجد میں عشاق ہوا کرتے ہیں

شاد کو دونوں جہاں میں تو خدا شاداں رکھ
ہم تو ہر روز یہی دل میں دعا کرتے ہیں

غزل

بتاریخ ۴ رجب ۱۳۳۲ھ روز یکشنبہ مقام مسناد

ہٹ دھرمی کی کہوں کہ میں ایمان کی کہوں — اپنا کروں بیان کہ تری شان کی کہوں

دل میں یہ اب ٹھنی ہے کہ ایمان کی کہوں — کچھ کر کے مختصر میں تری شان کی کہوں

میری جو وہ سنیں کبھی موقع مجھے ملے — سب دل کا حال کیفیت ایمان کی کہوں

پابند دام زلف ہے آشفتہ دل مرا — کیا سرگزشت ایسے پریشان کی کہوں

دیوانگی میں بھی ہے رٹ اس کے نام کی — میں بدحواس ہو کے بھی اوسان کی کہوں

کچھ دین کی سناؤں کہ دنیا کی داستان — کچھ قدسیوں کی لکھوں کہ انسان کی کہوں

میں دھیان میں ہوں اس کے وہ ہے رازداں مرا — کچھ میزباں کی لکھوں کہ مہمان کی کہوں

یاں ہے بھروسہ حق پہ وہاں عقل ہے مدار — حالت کہوں گدا کی کہ سلطان کی کہوں

حق کہنے والوں کے لئے ہے دار کی سزا — بچ جائے جان پر اگر ایمان کی کہوں

میں ہوں کتاب معرفت حق کا درس یاب — اب کیا کسی سے وید کی قرآن کی کہوں

ہے شاد پُر بہار یہ جوشِ جنوں مرا
دامن کی اب کہوں کہ گریباں کی کہوں

غزل بتاریخ ۱۷۔ رجب ۱۳۳۴ھ روز شنبہ مقام کوہ شریف

دنیا کے کاروبار سے میں رُخ کشیدہ ہوں
ہوتے ہیں پانچ سال کہ خلوت گزیدہ ہوں

آہوئے دشتِ ہو کو ہے خلوت سے کیا غرض
وحشت وہ مجھ میں ہے کہ غزالِ رمیدہ ہوں

ایمان و کفر کے ہوں کشاکش میں رات دن
دامن ہے چاک اور گریباں دریدہ ہوں

اپنے کو میں نے کھو دیا اس کی تلاش میں
کس کی ہو نفی سایہ کی صورت رمیدہ ہوں

سوز و گدازِ عشق ہے میرے نصیب میں
روزِ ازل سے اس کے لیے آفریدہ ہوں

شیوہ ہے عاجزی کہ ہوں پتلا میں خاک کا
ہوں شاخ بار ور تو زمیں تک خمیدہ ہوں

سمجھو نہ مجھ کو تازہ گرفتار عشق کا
اس کا تو ابتدا ہی سے لذت چشیدہ ہوں

ظاہر میں گرچہ قطرہ ہوں لیکن رہے یہ یاد
وحدت کے بحر کا ہمہ تن آبدیدہ ہوں

کچھ بول اُٹھوں گا دیکھو سراپا ہوں سازِ عشق
چھیڑو نہ مجھ کو شاد کہ آفت رسیدہ ہوں

غزل بتاریخ ۱۰۔ ماہ شوال ۱۳۳۴ھ روز چہار شنبہ مقام تاج محل

سارے عالم میں ہے جلوہ مرا اللہ رے میں
کہیں ہوں گبر مسلماں ہوں کہیں واہ رے میں

دونو یہ عاشق و معشوق تعین ہیں مرے
دردِ دل سوزِ جگر مجھ سے ہیں اللہ رے میں

کہیں ظاہر ہوں تو باطن میں کہیں عین نہاں
یعنی اول بھی ہوں آخر بھی ہوں ہیں واہ رے میں

کس کی صورت ہے مری شان ہے کس کی سمجھو
یعنی آئینہ بھی ہوں عکس بھی اللہ رے میں

شخص اور عکس کے پردے میں ہے عالم میں محیط
مجھ میں عالم ہے نہاں شاہ رے ہیں واہ رے میں

عبد اور رب کے ہیں جھگڑے سے بری ہاں دائم
واہ کیا شان ہے اللہ رے میں واہ رے میں

کفر و ایمان جو ہیں میرے ہیں جلال و جمال
شاد رونق ہے مجھی سے انہیں اللہ رے میں

ردیف (و)

غزل بتاریخ ۱۴ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ روز شنبہ مقام کوہ شریف

وہ درد درد کب ہے جو دل میں نہاں نہ ہو
دم دے تڑپ کے تو جب بھی عیاں نہ ہو

ہر چند چاہتا ہوں نہ ہو مجھ کو کچھ الم
لیکن یہ ہو گا جب ستم آسماں نہ ہو

کس طرح میری آہ شرر بار ہوگی سرد
ممکن نہیں کہ آگ جہاں ہو دھواں نہ ہو

افسوس ہو گیا مجھے منہ کھولنا محال
ہر بات پر وہ کہتے ہیں قصہ بیاں نہ ہو

پوشیدہ راز بھی ہے منہ میں زباں بھی ہو
گر یہ نہ ہو تو اس کا کوئی رازداں نہ ہو

آنکھوں میں تیرے پھرتے ہیں دل میں مقام ہے
مطلب یہ ہے کہ حال کسی پر عیاں نہو

تیرے ہی دم کے ساتھ ہے سب میری کائنات
کیوں غیر مہرباں ہو جو تو مہرباں نہو

میری جو زندگی ہے فقط تیری چاہ پر
یہ بھی کہیں نصیبِ دلِ دشمناں نہو

ای دل خیال خام ہے وہ رشکِ نازنیں
معشوق ہو کے تجھ سے کہیں بدگماں نہو

ای شاد کس سے لطف و کرم کی اُمید ہے
ہو کون مہرباں جو خدا مہرباں نہو

غزل

بتاریخ ۹ - جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ روز یکشنبہ بمقام مسند

عشق کا خانۂ دل میں مرے گھر ہونے دو
مری فریاد کا کچھ بھی تو اثر ہونے دو

زنگ آئینہ کا جائے گا جلا آئے گی
مرے دل پر نظر اربابِ نظر ہونے دو

بیخودی ہوگی جو ہم کو تو اُسے پائینگے
مئے الفت کا ذرا سر میں اثر ہونے دو

قیس و فرہاد کا کیا ذکر ذرا ہوش کی لو
ہمیں اپنی تو ذرا پہلے خبر ہونے دو

دھیان میں گیان میں عارف کو مزا آتا ہے
ہاں تصور کرو معراجِ نظر ہونے دو

ایک ذرے سے ہے خورشید کی سب بود و نمود
ذرہ کیا چیز ہے اس کی تو خبر ہونے دو

زلف اور رُخ کے ہی تم دھیان میں مصروف ہو
شام ہونے دو ذرا اور سحر ہونے دو

کام ہے پیرِ مغاں سے وہ سلامت ہے بس
اس کی بھٹی پہ مری عمر بسر ہونے دو

کام جتنے ہیں بن آئینگے تمھارے جلدی
حضرتِ خواجہ کو ای شاد خبر ہونے دو

ردیف (ہ)

غزل بتاریخ ۵۔ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ روز شنبہ مقام مسند

ترا عشق ہی مری آرزو۔ تری شان جلّ جلالہٗ
تری شکل ہی مرے روبرو تری شان جلّ جلالہٗ

نہ حرم کی خواہشِ سیر ہی نہ تو دیر سے نہ مجھے بیر ہی
فقط ایک تیری ہی جستجو تری شان جلّ جلالہٗ

جو ہوا چمن میں مرا گزر نظر آئی سیر یہ سر بسر
کہ گلوں میں ہی تری رنگ و بو تری شان جلّ جلالہٗ

ترا ذرّے ذرّے میں نور ہی ترا ہر جگہ پہ ظہور ہی
مری آنکھوں کے تو ہی روبرو تری شان جلّ جلالہٗ

تو ہی گل میں ہی تو ہی مُل میں ہی تو ہی جز میں ہی تو ہی کُل میں ہی
تو ہی نازنیں تو ہی خوبرو تری شان جلّ جلالہٗ

نہ سکوت ہی ترے ذکر سے نہ فراغ ہی ترے فکر سے
کبھی دل میں حق کبھی لب پہ ہو تری شان جل جلالہٗ

یہ ہی عرض شاد کی اے خدا تو ہی قادر اور ہی کبریا
مری پوری کر دے سب آرزو تری شان جل جلالہٗ

غزل بتاریخ ۱۲- شعبان ۱۳۲۳ھ روز یکشنبہ مقام تاج محل

کہیں پیرِ مغاں بنکر رہوں مستانہ کا مستانہ
کہیں ہشیار ہو کر ہوں میں دیوانے کا دیوانہ

حرم آباد مجھ سے ہی تو کفر ایجاد مجھ سے ہی
ہوں مسجودِ خلائق اور بتخانے کا بتخانہ

ترے رخ کا ہوں شیدائی تری زلفوں کا سودائی
ہوں فرزانے کا فرزانہ ہوں دیوانے کا دیوانہ

پلا کر ایک دو ساغر نہ کر برہم مری خاطر
لگا دے منھ سے اے ساقی یہ خمخانہ کا خمخانہ

دیا جب نقد دل میں نے تو وہ ہنس کر لگا کہنے
یہ ہی قیمت کی قیمت اور بیعانے کا بیعانہ

یہی دل ہے مکاں اس کا یہی ہے لامکاں اس کا
یہ ہی بستی کی بستی اور ویرانے کا ویرانہ

کبھی میں دل میں رہتا ہوں کبھی ان کی نظروں سے
ہمیشہ دوست کا دوست اور بیگانہ کا بیگانہ

رہا قطرہ کہیں بنکر کہیں میں بن گیا دریا
سناؤں کیا تمھیں میں اپنے افسانے کا افسانہ

ملا میں شیخ سے اور حضرت زاہد سے بھی لیکن
رہا مشرب مرا اے شاد رندانے کا رندانہ

ردیف (یا)

غزل ۱۰- جمادی الاول ۱۳۳۲ھ روز سہ شنبہ بمقام کوہ شریف

اک ذات اسی کی ہی نہاں اور عیاں بھی ۔۔۔ پر نور اسی سے ہی زمیں اور زماں بھی

اک میں ہی نہیں ہوں تری صورت کا فدائی ۔۔۔ ہر طفل ہی ہر پیر بھی ہر ایک جواں بھی

انداز و ادا ناز و کرشمہ ترا ظالم ۔۔۔ خنجر بھی ہی اور تیغ بھی اور تیر و کماں بھی

کیا رشکِ گلستاں ہی ترا کوچہ سہی قد ۔۔۔ ہی سرو بھی موجود یہاں آبِ رواں بھی

دنیا میں بھی اچھا وہی عقبےٰ میں بھی اچھا ۔۔۔ تکلیف اگر ہو تو یہاں بھی ہی وہاں بھی

کس طرح گزرتی ہی مری ہجر میں تیرے ۔۔۔ سُن مجھ سے زبانی مری یہ میرا بیاں بھی

کیا چشمِ زدن میں گئی ای شاد جوانی
افسوس کہ ساتھ اس کے گئی تاب و تواں بھی

غزل برائے مشاعرہ فیض صاحب بتاریخ ۱۴- رجب ۱۳۳۲ھ مقام کوہ شریف

ہوتی جاتی ہی بہت شوخ طبیعت تیری ۔۔۔ کہیں ایسا نہ ہو بڑھ جائے شرارت تیری

ہو ثبوت اس سے سوا کیا تیری یکتائی کا ۔۔۔ کہ کسی سے بھی نہیں ملتی ہی صورت تیری

تو ہی بیتاب تو میں صبر طلب ہوں ازل ۔۔۔ کیوں پسند آئے گی اب مجھ کو رفاقت تیری

روح و تن میں ہے فقط ظاہری پردہ تیرا
ہے طریقت بھی تری اور شریعت تیری

اس لیئے نام ترا روز جپا کرتا ہوں
روز افزوں ہو مرے دل میں محبت تیری

کونسا دن ہے کہ اغیار نہیں بھرتے کان
کب بھلا ان سے نہیں کرتے شکایت تیری

ہے جگہ کونسی یاں جس میں نہیں تیرا ظہور
کیسی کثرت ہے کہ جس میں نہیں وحدت تیری

تو ہی بیتاب یہاں اس کو ہے اغماض وہاں
دل وحشت زدہ کیا ہوگی حفاظت تیری

لوگ ہر چند کیا کرتے ہیں شکوہ تیرا
جب بھی اس یار کے دل میں ہے مروت تیری

تا بکے سگ ہو ہی در بدری اے انساں
نہیں بھرتی ہے کسی طرح سے نیت تیری

ہم فقیروں سے نہ لے دون کی تو اے واعظ
دھری رہ جائے گی اک روز مشیخت تیری

نفس کو اپنے جو پہچانے وہی عارف ہے
من عرف کہتے ہیں جس کو ہے عبادت تیری

کیا بڑی بات ہے نازل ہو خدا کی رحمت
کیا عجب ہے کہ پسند آئے اطاعت تیری

کوئی کہدے یہ عدو سے کہ سنبھل کر رہنا
منہ کی کھلوائے گی اک روز حماقت تیری

نہو محروم عنایت سے خدا کی اے دل
جاگ ہی جائے گی سوئی ہوئی قسمت تیری

دے کے فرزند کیا شاد مرا دل تو نے
یہ عنایت ہے الہی یہ ہے قدرت تیری

تیرا ہر کام توکل پہ ہے تقدیر پہ شاد
تیرے ہر کام میں کام آتی ہے نیت تیری

غزل بتاریخ ۱۵- ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ روز چہارشنبہ بمقام تاج محل

اگر ہی نیستی ہستی یہ کیسی / اگر ہی ہوش پھر مستی یہ کیسی

غلو کثرت میں وحدت کا ہی بیشک / نہیں گر اوج پھر پستی یہ کیسی

وجودِ ماسوا فانی مقرر / جو ویرانہ نہیں بستی یہ کیسی

گراں ٹھیری تھی گر جنس محبت / تو پھر ہی آج کل سستی یہ کیسی

نہ تھا گر قاب قوسین اس کا اسرار / تو دو کی اِک جگہ ہستی یہ کیسی

رہو طالب اگر ہو لاکھ تکلیف / محبّت کی زبردستی یہ کیسی

مریدِ پیرِ میخانہ نہیں گر / تو پھر ای شاد ہی مستی یہ کیسی

غزل بتاریخ ۱۸- جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ روز شنبہ بمقام مسند

کہے کیا حال کوئی اور تمنّا کوئی / نظر آتا نہیں اب پوچھنے والا کوئی

ہائے واقف نہیں ہر کوئی حقیقت سے مری / کوئی قطرہ مجھے کہتا ہی تو دریا کوئی

جیسا میں ہوں مری حالت سے خدا واقف ہی / کہنے دو مجھ کو بُرا یا کہے اچھا کوئی

کوئی ایسا بھی ہی دنیا میں کہ ہمدرد بنے / کون ہی ایسا نکالے جو تمنّا کوئی

خوگرِ درد ہوں پروا نہیں کچھ اس کی مجھے / میری فریاد کو سمجھے جو بہانا کوئی

کوئی معشوق وفادار نہیں ملتا ہی ہی جو رونا تو اسی کا نہیں ملتا کوئی

ایک محبوب تھا غمخوار ہمارا ای شاد
ابتو دُنیا میں نہیں پوچھنے والا کوئی

غزل بتاریخ ۲۰ - جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ شب جمعہ تاج محل

جس طرح دل ہی مرا ایسا وہ لائے تو سہی
مجھ سا عاشق کوئی جانباز دکھائے تو سہی

لاکھ اغیار کے وہ کام نکالے تو کیا
میری بگڑی ہوئی تقدیر بنائے تو سہی

میری حالت کو تبدل ہو بہت مشکل ہی
بیخودی سے کوئی پھر ہوش میں آئے تو سہی

وہ مسیحا ہی کیا کرتا ہی مردے زندہ
میری سوتی ہوئی قسمت بھی جگائے تو سہی

جذبۂ عشق کے کس طرح سے ہم قائل ہوں
کھینچکر اُن کو کسی وقت بلائے تو سہی

قدر انداز زمانے میں جو وہ ہی مشہور
تیر پر تیر مرے دل پہ لگائے تو سہی

معرفت والے اُٹھا پہلے دوئی کا پردہ
آپ اپنے ہی میں اُس شوخ کو پائے تو سہی

درد کیا چیز ہی کہتے ہیں کسے لذتِ درد
دل کسی بت سے ذرا کوئی لگائے تو سہی

راز تو جب ہی بقا اور فنا کا کھلے شاد
کھو کے اپنے کو ذرا آپ میں پائے تو سہی

غزل بتاریخ ۴۔ رجب ۱۳۳۳ھ روز چہار شنبہ مقام مسند

عارضِ گل میں جھلک ہی شاہ کے رخسار کی
یہ کوئی تعریف ہی اتنے بڑے سرکار کی

شاہ کی تعریف کا اعلیٰ سے اعلیٰ ہو بیاں
یہ تو وہ تعریف ہی جیسے کسی دلدار کی

مدحتِ شہ ایسے لفظوں میں ہو زیبا ہیں
زیب دے سردار کو وہ مدح ہو سردار کی

گر کسی کو وصف کرنا ہی تو لازم ہی اُسے
عدل کی مدحت کرے یا بذل یا تلوار کی

بندہ پرور عادل و باذل شجیع و دیں پناہ
ہیں یہ تعریفیں ہمارے رحمدل سرکار کی

بندہ پرور ایسے ہیں ان کا کوئی ثانی نہیں
متفق ہی سب دکن حاجت نہیں اظہار کی

عدل کا مثلِ در توبہ ہی دروازہ کھلا
کچھ ضرورت ہی نہیں اظہار کی تکرار کی

شیر بکری ملکے پانی پیتے ہیں اک گھاٹ اب
یہ حقیقی وصف ہی مدحت ہی اس کار کی

اس طرح کے ہیں سخی قطرے کو دریا کر دیا
ہو سکے کیا مدحت ان کے دستِ دریا بار کی

بے تعصب ایسے جیسے آئنہ ہی بے غبار
ہو گئی ہی رشتہ داری سبحہ و زنار کی

شاد میرے شاہ کو رکھے ہمیشہ کردگار
عمر و عظمت ہو فزوں یارب مرے سرکار کی

غزل ۱۷ شعبان ۱۳۳۳ھ روز پنجشنبہ مقام مسند

ہو گیا عشق دشمنِ جانی
اب نہ جائے گا دردِ پنہانی

میری چپ سے عیاں ہی عشق مرا
سب پہ افشا ہی رازِ پنہانی

ہی بقا سے ملکے ذات باقی ہی
لاکھ مجھ کو کہے کوئی فانی

باعثِ عشق ایک ہیں دونوں
مشکلِ خلق میری آسانی

مہر سے کر رہا ہوں کسبِ ضیا
آنکھ روشن ہی سینہ نورانی

ہو خطاؤں پہ اپنی تو نادم
کام آئے گی یہ پشیمانی

باعثِ فخر ہی گلیمِ فقر
کیا کروں لیکے تاجِ سلطانی

کھولکر زلف آنہ میرے پاس
اور بڑھ جائے گی پریشانی

یہی دو ہیں جلال اور جمال
ایک غضب ایک فضلِ یزدانی

کیا "بابا" کہہ کے پھنس گیا ہوں میں
روح کہتی ہی مجھ کو زندانی

کفر ایمان ہو گیا ای شاد
کیا کروں لیکے میں مسلمانی

غزل

بتاریخ ۲۰۔ شعبان ۱۳۳۲ھ روز یکشنبہ مقام سند

زردار کو عرفان کی دولت نہیں ملتی
گر اُس کا نہ طالب ہو یہ لذت نہیں ملتی

دنیا جسے کہتے ہیں یہی دارِ محن ہی
زنداں میں سوا رنج کے راحت نہیں ملتی

جس شکل پہ ایمان ہوا کرتے ہیں صدقے
افسوس کہ اب وہ ہمیں صورت نہیں ملتی

گھر بیٹھے ہو کس طرح بلا سیر جہاں کی
جانے کو سفر کے لیے رخصت نہیں ملتی

کہتے ہیں جسے عشق یہ ہے بار امانت
نااہل کو زنہار یہ دولت نہیں ملتی

کیا قامت جاناں کی ہو تعریف زباں سے
ڈھونڈھے سے کسی کو بھی قیامت نہیں ملتی

کس طرح ملے دل کو بھلا راحت و آرام
دن رات کسی وقت فراغت نہیں ملتی

انسان سے کیا خاک عبادت ہو خدا کی
جھگڑوں میں جو دنیا کے ہے فرصت نہیں ملتی

وہ طالب دنیا ہے میں ہوں طالب مولے
منعم سے مری شاد طبیعت نہیں ملتی

غزل بتاریخ ۳۰ شعبان ۱۳۳۳ھ روز چہارشنبہ مقام سندیلہ

بدل گئی ہے ہوا کس طرح زمانے کی
ہوس نہیں ہے کسی دل میں ناز اٹھانے کی

ادھر بھی ایک نظر دیکھ لے مرے دل کو
یہی جگہ ہے ترے تیر کے نشانے کی

وہ مرغ ہوں کہ دلوں میں نظر میں ہنا ہوں
مجھے نہ باغ کی خواہش نہ آشیانے کی

پھڑک رہی ہے مری آنکھ مضطرب ہے دل
یہ دے رہے ہیں خبر اب کسی کے آنے کی

نہیں ہے یاد مجھے اپنی اس کی الفت میں
ملی ہے راہ یہی اپنے کو بھلانے کی

پتے کی جو کہے دیوانہ کہتے ہیں اس کو
عجب سمجھ ہے عجب عقل ہے زمانے کی

تھو دل نے کیا تھا بنا ہوں میں مجرم
سزا یہ خوب ملی شاد دل لگانے کی

غزل بتاریخ ۱۵- ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ مقام تاج محل مبارک

می پیو فکر میں اندوہ میں اچھا ہے یہی
پیرِ میخانہ کا رندو تمھیں فتویٰ ہے یہی

نام پر اُن کے مرے جاتے ہیں جاں دیتے ہیں
دل بہلنے کے لیے ایک تماشا ہے یہی

بات رہ جائے کبھی ساکھ نہ جائے ہرگز
رات دن غیرت و ہمّت کا تقاضا ہے یہی

میری ہر بات پہ ہنستا ہے جفا جو ظالم
میری بپتا کو سمجھتا نہیں رونا ہے یہی

دیکھنا جلوۂ وحدت کو عیاں کثرت میں
عارفوں کے لیے واللہ تماشا ہے یہی

دل بدستِ دگرے دادن و حیران بودن
عشق ہوتا ہے یوں نہیں عشق میں ہوتا ہے یہی

شاد کو حضرتِ آصف نے دیا ہے خلعت
حیدرآباد کے ہر کوچہ میں چرچا ہے یہی

غزل بتاریخ ۱۲- جمادی الاول ۱۳۳۴ھ روز یکشنبہ مقام مسند

جب اس کے ناز کو دیکھا صدائے مرحبا نکلی
نظر آیا جو حسن اس کا مرے دل سے دعا نکلی

مجھے فوراً ہی یاد آیا ترا سروِ قدِ بالا
گلستاں سے جب اٹھلاتی ہوئی بادِ صبا نکلی

دمِ عسرت نہ آیا کام کوئی بھی انیسوں سے
فقط میری مصیبت ایک میری آشنا نکلی

ہزاروں یوں تو ہیں مشتاق تیرے اے ستم پرور
مری الفت ہی تیرے حق میں آخر باوفا نکلی

وہی تھا ظاہر و باطن وہی تھا واجب و ممکن
اُسی کی ابتدا نکلی اُسی کی انتہا نکلی

ہوا کچھ بھی نہ چارہ دردِ دل کا چارہ سازوں سے / مرض کی میرے پاس ان سے نہ کوئی بھی دوا نکلی

تری مشکل کشائی سے تری ہی رہنمائی سے / گھڑی مشکل کی میرے اے مرے مشکل کشا نکلی

ہماری رہنمائی خضر سے ممکن نہ تھی لیکن / تری الفت طریق عاشقی کی رہنما نکلی

خدا کا شکر دل سے ہر گھڑی اے شاد کرتا ہوں / کہ ہر اک میری حسرت میرے حسب التجا نکلی

غزل بتاریخ ۱۶۔ جمادی الثانی سنہ ۱۳۳۲ھ روز پنجشنبہ مقام تاج محل

دل کی امنگیں مٹ گئیں عشرت نہیں رہی / اگلی سی بزم اور وہ صحبت نہیں رہی

کم ہمتی سے سب کے جگر سرد ہو گئے / سرعت بدن میں سینے میں حدت نہیں رہی

اب مفلسی کا روز ستارہ ہے اوج پر / جود و سخا نہیں ہے دولت نہیں رہی

وہ ولولے کہاں ہیں کہاں ہیں وہ شوخیاں / زورِ شباب اور طبیعت نہیں رہی

کیا خاک آئینہ میں ہم اب دیکھیں اپنا منہ / وہ بانکپن نہیں ہے وہ صورت نہیں رہی

کس طرح جھیلیں روز فلک کی مصیبتیں / یہ بوجھ اٹھانے کی ہمیں طاقت نہیں رہی

دل میں نہیں ہے ذائقۂ دردِ عشق یار / سودا نہیں رہا ہے وہ وحشت نہیں رہی

یاروں میں اٹھ گئی ہیں بہت بے وفائیاں / سیرت نہیں رہی ہے وہ مروت نہیں رہی

دولھا کے دم کے ساتھ ہی ساری برات تھی
اے شاد زندگی کی وہ لذت نہیں رہی

غزل بتاریخ ۱۸ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ روز شنبہ مقام سندہ

وحدت کی مے سے ہے پر میخانۂ کلیمی
ہے نور سے منور کاشانۂ کلیمی

ارنی ولن ترانی سنتے نہیں ہیں جب سے
مشہور ہے جہاں میں افسانۂ کلیمی

ہر شمع رو کے یہ ہیں دیوانہ جان و دل سے
ہر شمع رو ہے دل سے پروانۂ کلیمی

آباد دل میں اللہ برباد ما سوا اللہ
بستی سے ہے زیادہ ویرانۂ کلیمی

ہر اک مرید اُن کا بیخود رہے نہ کیونکر
آنکھوں کی پتلیاں ہیں خمخانۂ کلیمی

ہندو دکن میں جب سے شہرت ہوئی ہے اُن کی
ہر ایک ہو رہا ہے دیوانۂ کلیمی

ظاہر میں بھی وہی ہے باطن میں بھی وہی ہے
ہے کالی کملی والا جانانۂ کلیمی

گاتے ہیں مست اُن کے ہر دم یہی ترانہ
یا رب رہے ہمیشہ میخانۂ کلیمی

اے شاد ہم بھی اُس کے درشن کریں گے چل کر
معمور حسن سے ہے بت خانۂ کلیمی

غزل بتاریخ ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ روز سہ شنبہ مقام سندہ

یاد پھر آگئی رندوں کو جو میخانے کی
پھر گئی آنکھ میں تصویر بھی پیمانے کی

کعبہ و دیر میں ہم جائیں تو کیا جائیں بھلا
کہیں گھر چھوڑ کے عادت ہی نہیں جانے کی

رستے میں مل کے چلے جاتے ہیں وہ پھیر کے منھ
راہ یہ خوب نکالی مجھے تڑپانے کی

سنگِ اسود کو دیا کرتے ہیں حاجی بوسہ
یاد باقی ہی ابھی کعبہ میں بتخانے کی

ایک دم تم جو سما جاؤ گے ان آنکھوں میں
یاد رکھنا کہ ہمیں نیند نہیں آنے کی

غیر کے قصہ سے کچھ کم نہیں اپنی بیتی
کچھ ضرورت نہیں باقی نئے افسانے کی

آگیا سوز کہاں سے ترے دل میں ای شاد
آگئی تجھ میں جلن کس لیئے پروانے کی

غزل بتاریخ ۵۔ رجب ۱۳۳۴ھ روز یکشنبہ مقام تاج محل

مٹی خراب آپ نے اس کی مدام کی
کیا خوب قدر کی ہی دل شاد کام کی

خم توڑ ڈالے اور گرادی شراب بھی
مستوں نے میکدہ میں بہت دھوم دھام کی

کیا بات ہی شراب میں کیا کوئی زہر ہی
واعظ بتاوے کس لیئے تو نے حرام کی

بندے ہیں ہم تو شیخ غفور الرحیم کے
تشویش کچھ نہیں ہمیں یوم القیام کی

غرے سے بادہ خوار سوا پیتے ہیں شراب
عظمت اگرچہ دل میں ہی ماہ صیام کی

میخانے سیدھے جاتے ہیں رندانِ بادہ نوش
یاد آتی ہی جب اُن کو می لالہ فام کی

زمرے میں چشتیوں کے ہوا جب سے تو شریک
ای شاد ساری خلق میں شہرت ہی نام کی

غزل بتاریخ ۵۔ شوال ۱۳۲۴ھ روز شنبہ مقام تاج محل

کیا وہ دن تھے خلق جب تیری تماشائی نہ تھی
عالمِ وحدت میں کثرت کی گھٹا چھائی نہ تھی

دیکھتے ہیں ذرّے ذرّے میں ترا جلوہ عیاں
یوں نظر اپنی کبھی پہلے تماشائی نہ تھی

خلق کو بدظن کیا منصور خود رُسوا ہوا
اس سے پہلے تو انا الحق کی صدا آئی نہ تھی

ہوش موسےٰ کے اُڑائے یا جلایا طور کو
امتحاں مدِنظر تھا جلوہ فرمائی نہ تھی

دیر ہو یا کعبہ تیرا جلوہ تھا پیشِ نظر
بے سبب دونوں جگہ میری جبیں سائی نہ تھی

حق شناسی میں مبصّر ہو گئے مردم شناس
آنکھ کی پتلی کبھی ایسی تماشائی نہ تھی

صوتِ ناقوس واذاں تھے یہ تو پردے راز کے
کب صدا دیر و حرم سے آپ کی آئی نہ تھی

اپنی صورت کا بشر کو کیوں بنایا آئینہ
گر تجھے منظور خود بینی خود آرائی نہ تھی

یہ تجاہل یہ تغافل کب سے ہے فرمائیے
کیا کبھی واقف نہ تھے مردم شناسائی نہ تھی

تھی جو خلوت اُس میں بھی آتا تھا لطفِ انجمن
کچھ پریشاں کرنے والی اپنی تنہائی نہ تھی

کعبہ و بُت خانہ کیسا ہر جگہ وہ کب نہ تھا
کب طبیعت میرے ہرجائی کی ہرجائی نہ تھی

صورتِ انساں میں حق کو دیکھتا آتا ہوں میں
کون کہتا ہے نظر میری تماشائی نہ تھی

ناشگفتہ کب رہا تھا غنچۂ دل شادؔ کا
گلشنِ اجمیر سے کس دن صبا آئی نہ تھی

غزل بتاریخ ۱۵۔ جمادی الاول ۱۳۲۲ھ روز یکشنبہ کوہ شریف

کیا متاعِ دل کہیں تم کھو کے ہو آئے ہوئے
جب سے اپنا ہاتھ کھینچا ہو گئے ہم بے نیاز

کس لیے پھرتے ہو تم اے شادؔ گھبرائے ہوئے
اس لیے رہتے ہیں ہم اب پاؤں پھیلائے ہوئے

جا کے دیکھا باغ میں فصلِ خزاں کیا خاک تھا
رہ گئے تھے پھول کچھ وہ بھی تھے مرجھائے ہوئے

ہو گیا کس کا تصور آ کے ان کا سدِّ راہ
تھم گئے پلکوں تک آ کر اشک بھی آئے ہوئے

کیوں قدم رنجہ کیا ہے شیخ سے پوچھے کوئی
محفلِ رنداں سے یہ تو تھے نکلوائے ہوئے

آپ اپنے کو مٹانا ہے اصولِ عاشقی
مدعا عنقا ہے اپنا ہیں یہی پائے ہوئے

کیا گھٹے گا اپنا گر ہے تنگیِ چشمِ حسود
ہیں اسی خورشید رو کے ذرے چمکائے ہوئے

ہو گئے پژمردہ خاطر عالمِ ناسوت میں
تھے ازل سے گرچہ جی کو اپنے بہلائے ہوئے

اپنے دل کی دوستداری عاشقی میں دیکھ لی
ہیں اسی ظالم کے سب عشاق بہکائے ہوئے

کافر و مومن کے جھگڑے میں رہیں گے کس طرح
شکر ہے اپنی حقیقت شاد ہیں پائے ہوئے

غزل برطرح مشاعرہ سید شاہ عبداللہ ولی بتاریخ ۱۵ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ
مقام کوہ شریف

تھا زباں پر نام حق اب بھی اسی کا نام ہے
ابتدا جو کچھ ہماری تھی وہی انجام ہے

دیر سے کچھ واسطہ ہے اور نہ کعبے سے غرض
ایک ہی معبود اپنا بس اسی سے کام ہے

کیا مسلمان کیسے ہندو سب کا مالک ہے وہی
کوئی کہتا ہے خدا لب پر کسی کے رام ہے

آمد و شد کی نفس کی بھید کیا جانے کوئی
من عرف کا درس دینا اس کا ہر دم کام ہے

مجھ سے گر الفت نہیں ہے پھیر دیجے میرا دل
میری جانب سے اُسے قاصد یہی پیغام ہے

اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ اَوْلَادُکُمْ فِتْنَہ کہا
آدمی کو پھانسنے کے واسطے یہ دام ہے

رندِ شاہد باز ہوں میں شیخ ہے تقوےٰ پسند
اُس کو مجھ سے اور مجھکو اُس سے اب کیا کام ہے

عاشقی میں ذکر ہی کیا ننگ اور ناموس کا
نیکنامی ہے اُسی کی جو بشر بدنام ہے

ہے طوافِ کعبۂ دل فرض عارف کے لئے
غیر سے قطعِ تعلق اس کا یہ احرام ہے

مہر میں ہے ماہ میں ہے اور ہر ذرّہ میں بھی
میرا معشوقِ حقیقی کیا ہی خوش اندام ہے

ہوں موحد اور محقق شادؔ مجھ کو اس سے کیا
کفر کس کو کہتے ہیں سب اور کیا اسلام ہے

غزل بتاریخ ۱۰ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ روز شنبہ۔ کوہ شریف

شادؔ جو ہندو مسلماں دونوں میں بدنام ہے
راز پوشیدہ نہیں ہے یہ تو طشت از بام ہے

سوزِ پروانہ ملے گا کس طرح سے مُرغ کو
راہِ عرفاں اور واعظ، یہ خیال خام ہے

حُسن کی سرکار میں اپنی طلب ہو کس طرح
بادشاہوں کو فقیروں سے بھلا کیا کام ہے

اول و آخر کہاں ہی مرکزِ پرکار کو
ابتدا اس کی وہی اس کا وہی انجام ہی

توہی مطلوبِ جہاں ہی توہی مقصودِ جہاں
کام تجھ سے گر نہیں ہی اور کس سے کام ہی

تیرے دریائے کرم سے ایک چلّو ہو عطا
تشنہ کو سیراب کر دینا یہ تیرا کام ہی

میکشی سے منع گر کرتا ہی واعظ کرنے دو
چیخنے دو اُس کو وہ تو مرغِ بے ہنگام ہی

دل کا سودا کرتے ہیں ہم عشق کے بازار میں
ہی اگر گاہک کوئی تو اس کا بھی نیلام ہی

اس سے بڑھ کر کیا کرے گا دشمنی ہم سے کوئی
یہ پُرانا دشمنِ جاں چرخ نیلی فام ہی

روکتا ہی کون ہم کو کیوں نہ مانگیں اُس سے ہم
فیض ربّ العالمین کا شاد فیض عام ہی

غزل ـ مشاعرہ حضرت فیض صاحب بتاریخ ۲۲ ـ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ
مقام کوہ شریف

غرض کچھ دوست سے مجھ کو نہ کچھ مطلب ہی دشمن سے
کھلا ہی اِک زمانے پر بندھا ہوں تیرے دامن سے

مجھے زنار اور تسبیح سے رشتہ قدیمی ہی
نہ دشمن شیخ کا ہوں میں نہ کد ہی کچھ برہمن سے

بھلا کوئی بُرائی کر کے میرا کیا بگاڑے گا
ہوا جب دوست تو اپنا تو پھر کیا خوف دشمن سے

عیاں ہی جلوہ فیضِ باطنی کا بعدِ مردن بھی
نمایاں ہیں جنابِ فیض کے انوار مدفن سے

طریقِ عشق کا رہرو ہوں رہبر عشق ہی میرا
مجھے پہنچے گا کیا خطرہ ترے رستے میں رہزن سے

تسلّی ہی نہ خاطر کو نہ راحت دل کو حاصل ہے
مجھے تو کام ہی دن رات اب نالے سے شیون سے

عبث تربت پہ عاشق کی تم آ کر روز روتے ہو

بھلا حاصل تمھیں کیا خاک ہوگا اس جلے تن سے
مری آنکھوں میں آئے ہیں مژہ کی چق وہ ڈالے ہیں
نیا پردہ بنایا ہی لگے بیٹھے ہیں چلمن سے
پلادے بادۂ وحدت بنادے اپنا دیوانہ
کوئی کہدے خدا کے واسطے ساقی پُرفن سے
مرے دل کو کلیجے کو تعلق ابتدا سے ہی
تری ترچھی نظر سے اور تیری بانکی چتون سے

اُسی کا نام جپتا ہوں خدائی کا جو مالک ہی
فدائی اور شیدائی ہوں اُس کا شاد بچپن سے

غزل بتاریخ ۱۰- جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ بہ مقام کوہ شریف

جب رہا ہو جاؤنگا میں رنج و غم کے دام سے
تب کہوں گا اب گزرتی ہی بڑے آرام سے
پھرتے پھرتے تھک گئے ہم ساتھ کب تک اُس کا دیں
ابتو جی گھبرا چلا ہی گردش ایام سے
فکر دنیا اک طرف ہی فکر عقبےٰ اک طرف

کس طرح گزرے گی یارب اپنی اب آرام سے

ہے علامت یہ بھی اک میری شکستِ توبہ کی
مَے پلاتا ہے جو ساقی مجھ کو ٹوٹے جام سے

عمر اپنی صرف کر دی زلف و رخ کے دھیان میں
کام ہی کیا اس جہاں کے ہم کو صبح و شام سے

خوب ہو گر سلسلہ جاری رکھیں تحریر کا
کچھ تشفی ہوتی ہے اس نامہ و پیغام سے

رات دن رنج و مصائب کا ہے اب تو سامنا
اِک زمانہ تھا گزرتی تھی بہت آرام سے

ایک دن وہ تھا کہ چین آتا نہ تھا میرے بغیر
آج وہ برہم ہوئے جاتے ہیں میرے نام سے

سختیوں سے رات دن ہم کو نہیں ملتی نجات
لوگ کہتے ہیں گزرتی ہے بڑے آرام سے

تم اُسی کو صدقِ دل سے رات دن جپتے رہو
مشکلیں ہوتی ہیں آساں بس اُسی کے نام سے

غم نہ کھانا رنج کے ہو بعد راحت بھی ضرور
صبر کرنا شادؔ گزرے گی بہت آرام سے

غزل بتاریخ ۱۱- رجب ۱۳۳۲ھ مقام کوہ شریف

کسی پر مہرباں ناخوش کسی سے وہ ستمگر ہی
کوئی محفل کے اندر ہی کوئی محفل کے باہر ہی

کبھی مستوں کا اے واعظ رہا ہی جام بھی خالی
پلانے پر بھی ساقی کا وہی لبریز ساغر ہی

صفائی دل کی مشہورِ زمانہ تھی تمھاری بھی
کہو کس واسطے اب دل کا آئینہ مکدر ہی

ہجومِ یاس سے گھبرا گیا تھا دل مرا یارب
کرم سے تیرے اب اچھا ہوں میں اب حال بہتر ہی

نہیں قدرت کسی کی بھی مقابل ہو سکے کوئی
کسی کا رتبہ اس سے کب فزوں اللہ اکبر ہی

مرے دل میں ہزاروں حسرتیں لاکھوں تمنائیں
کوئی دیکھے کہ مہمانوں سے یہ کیسا بھرا گھر ہی

یہاں تو مُدعا یہ ہی کہ وہ دل سے کریں وعدہ
اگر ایفا نہ ہو ایفا ہی کرنے کے برابر ہی

عجائب کشمکش کی ہی ہماری زندگانی بھی
اِدھر دُنیا کی بھی اُلفت اُدھر عقبےٰ کا بھی ڈر ہی

پسند آیا جہاں کوئی کہ فوراً وصل کی سوجھی
کوئی بازیِ طفلاں ہی کہ اے دل وصلِ دلبر ہی

مرے گھر اُس نے وعدہ اپنے آنے کا کیا تو ہی
بحمداللہ کہ اپنا اندنوں یاور مقدر ہی

تمنّاؤں کو میری دیکھ کر دل میں وہ کہتے ہیں
گزر کیونکر ہو اغیروں کا اس میں یہ مرا گھر ہی

ذرا چشمِ بصیرت سے اگر دیکھو تو سمجھوگے
نہیں معشوق کی صورت یہ اُس کا روئے انور ہی

مرے دل کو جو دیکھا بے تامّل کر لیا قبضہ
کہا میرا یہی گھر ہی یہی گھر ہی یہی گھر ہی

مہیا عیش کے سامان ہیں آؤ ذرا دیکھو

یہ شیشہ ہی یہ مینا ہی یہ ساقی ہی یہ ساغر ہی
نکلکر بزم دلبر سے پھر آئے بزم دلبر میں
مبارک یہ ہمارے واسطے قسمت کا چکّر ہی
حرم میں سنگِ اسود ہی صنم ہی دیر میں رکھا
وہاں بھی وہ ہی پتھر ہی یہاں بھی وہ ہی پتھر ہی
جب اس کی یاد آئی وہ ہوا پیشِ نظر موجود
کوئی ساعت مقرر ہی نہ کوئی دن مقرر ہی
بلایا اُس نے مجھ کو اپنے گھر میں بعد مدت کے
زہے تقدیر میرا آج طالع بھی سکندر ہی

نہ پوچھیں شاد اعزاز آپ اپنے خانۂ دل کا
خدا کا گھر یہی گھر ہی یہی گھر ہی یہی گھر ہی

غزل بتاریخ ۲۲- جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ کو شریف

غیر کا قصہ غلط سحر بیانی ہو جائے
اپنی بیتی جو کہوں میں تو کہانی ہو جائے

نالہ کھینچوں تو عیاں عشقِ نہانی ہو جائے
گر کہوں حالِ دل اقرار زبانی ہو جائے

اے خدا رعب وہ دے حاکِ بٹھا وہ میری
زہرہ دشمن کا مجھے دیکھ کے پانی ہو جائے

نہیں منظور جو لکھنا مرے نامے کا جواب / دل میں جو کچھ ہے وہی حکم زبانی ہو جائے

یاد رکھنا کہ ابھی نوح کا طوفان اٹھے / غمِ فرقت میں اگر اشک فشانی ہو جائے

ہوا ابھی عشق کے بازار میں سودا میرا / صورتِ ارض اگر عود جوانی ہو جائے

اس لیے رو کے کیا کرتا ہوں سمجھے اس کو / کہ پسند اس کو مری اشک فشانی ہو جائے

دیکھے دل عشق میں گر عدو کا سودا نہ کروں / ابھی بازارِ محبت میں گرانی ہو جائے

شاد ابھی شاد ہو آزاد ہو رنج و غم سے
مہرباں اس پہ جو غوثِ صمدانی ہو جائے

غزل بتاریخ ۲۲۔ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

مقام کوہ شریف

جب دعا کی گئی تہِ دل سے / کام آساں ہوا ہے مشکل سے

ارحمنی کہہ رہی ہیں مردمِ چشم / رہیے آنکھوں میں آیئے دل سے

کس طرح ہو گی بادہ آشامی / نہیں فرصت نہ مجھے مشاغل سے

ذکر کا حال شیخ کیا جانے / پوچھیے اس کا حال شاغل سے

ہو مبارک تمھیں یہ جوشِ عشق / آ رہی ہے صدا سلاسل سے

جتنے جی چاہے دیجئے بوسے — پوچھئے کچھ نہ اپنے سائل سے

منعرف کہتے ہیں کسے عارف — پوچھیے اس کو پیرِ کامل سے

سر میں سودا ہوا ہی زلفوں کا — لگ گیا دل پری شمائل سے

عشق بازی ہی ہوشیار کا کام — ورنہ کیا ہوگا مردِ کاہل سے

قدر عالم کی کیا کروگے تم — رابطہ ہی تمھیں تو جاہل سے

خُلق زیور ہی ہر بشر کے لئے — نیک نامی ہی خوش خصائل سے

جائے مجنوں کے سامنے سے ہزار — جائے لیلےٰ نہ دیکھے محمل سے

جانتا ہوں کہ ان کے دل کو بھی — نسبتِ خاص ہی مرے دل سے

ایک پروانہ اب نہیں آتا — اُٹھ گئی شمع جب سے محفل سے

چھا گیا رُعبِ حسن کچھ ایسا — بات کرتا ہوں اُن سے مشکل سے

صاحبِ دل کی خاص حالت ہی — پوچھتے کیا ہو اس کو بیدل سے

جذبۂ عشق آج اُس بُت کو — گھر میں لایا بڑی ہی مشکل سے

ہوگی مقبول اس میں شک ہی نہیں — کی ہی ہم نے اگر دُعا دل سے

خوش نصیبی کہ کوزۂ و ساغر — اُس نے بنوائے میری ہی گِل سے

کیوں اُمیدیں تری ہوئیں پوری — پوچھتا ہی وہ اپنے بسمل سے

ہوگئے اشک خشک رونے سے	ہے مخارج فزوں مداخل سے
جب سے ڈالا گلے میں ہے زنّار	بڑھ گیا بوجھ اس حمائل سے

جب خدا ناخدا ہوا اے شاد
لگ گئی کشتی اپنی ساحل سے

غزل حضرت خداوند نعمت کے مصرع طرح پر

جو فی البدیہ ارشاد فرمایا تھا

بتاریخ ۱۰- ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ بمقام تاج محل

مژدہ یہ بادِ صبا لائی ہے	پھر چمن میں بہار آئی ہے
کیوں نہ ہاتھ آئے گوہرِ مقصود	بحرِ خوبی سے آشنائی ہے
آپ اپنا ہے خود تماشائی	کیا تری شانِ خودنمائی ہے
جامِ کوثر پلایا ساقی نے	جس پہ قربان پارسائی ہے
لب میگوں سے عشق مے سے گریز	شیخ یہ کیسی پارسائی ہے
میرے دل کی لگی بجھائے کون	عشق نے آگ یہ لگائی ہے
ایسی وسعت ہے میری آنکھوں میں	سب خدائی تری سمائی ہے

اُس کا جلوہ ہے ذرّے ذرّے میں ہر جگہ اُس کی رونمائی ہے

میں جو روتا ہوں خلق ہنستی ہے میرا رونا بھی جگ ہنسائی ہے

آپ پایا جو اُس کو اپنے میں عشقِ کامل کی رہنمائی ہے

لے گئی دل نگاہِ دزدیدہ اُس شہ حُسن کی دُہائی ہے

عرض مصرعہ جلیل نے یہ کیا واہ کیا پنجۂ حنائی ہے

شہ نے مصرعہ بدیہہ فرمایا طبع عالی کی کیا رسائی ہے

یدِ بیضا بھی جس پہ ہو قربان واہ کیا پنجۂ حنائی ہے

ایں سعادت بزورِ بازو نیست سچ ہے یہ شانِ کبریائی ہے

دردمندوں کے درد کو کھویا کیا مسیحا کی یہ دوائی ہے

شاہ کا اب نہیں عدیل و نظیر شاہ کی ایسی بادشاہی ہے

یہ بھی کیا فخر ہے خدا کا شکر شہ کے قدموں تک اب رسائی ہے

بادشاہی سے بڑھ کے میرے حضور آپ کے در کی یہ گدائی ہے

آستانہ ہے کعبۂ مقصود اس لیے در پہ جبہ سائی ہے

ہے نمک خوار شاد دیرینہ

دل سے حضرت کا یہ فدائی ہے

ایضاً حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی کے مصرع طرح پر جو فی البدیہ ارشاد فرمایا تھا

بتاریخ ۱۰۔ ذی حجہ ۱۳۳۸ھ بمقام تاج محل

تنِ بیجاں میں جان ڈالی ہے
بات میں بات کیا نکالی ہے

شادؔ مطلع کا مصرعہ اولیٰ
مصرعۂ بندگان عالی ہے

ہے مقیّد کبھی۔ کبھی آزاد
کیا تری شانِ لااُبالی ہے

قدِ رعنا کی کیا کروں تعریف
شجرِ حسن کی یہ ڈالی ہے

کبھی گویا ہے اور کبھی خاموش
بات اُس کی ہر اک نرالی ہے

قال واعظ کو ہی مبارک ہو
رند میخوارہ جو ہے حالی ہے

چشمِ میگوں ساقیِ گلفام
جام صہبائے پرتگالی ہے

شاہ عادل کریم ابن کریم
مرا یہ بندگا نعالی ہے

شانِ لطف و عتابِ شاہ دکن
اک جمالی ہے اِک جلالی ہے

ہوگا فیضِ حضور سے زرّیں
گرچہ ساغر مرا سفالی ہے

شادؔ کیا فکر ہے کہ شاہ دکن
میرا مالک ہے میرا والی ہے

غزل بتاریخ ۲۵- ذی حجہ ۱۳۳۲ھ یوم شنبہ مقام تاج محل

جب سے دکھائی دیتا ہی نورِ خدا مجھے
خواہش بقا کی ہی نہ ہی فکرِ فنا مجھے

اپنے کو ڈھونڈتا ہوں تو پاتا ہوں اُس کو میں
حیراں ہوں مثلِ آئینہ کیا ہو گیا مجھے

ناقوس کی صدا ہو کہ آوازِ بانگ ہو
سب میں سُنائی دیتی ہی تیری صدا مجھے

مومن ہی تیرا دوست ہی کافر بھی جاں نثار
کیوں دلپسند ہو نہ یہ پیاری ادا مجھے

جانِ جہاں ہی اور مری جان بھی تو ہی
تو نے کیا جمال پر اپنے فدا مجھے

جس سمت دیکھتا ہوں ترا ہی جمال ہی
ہر شی نظر میں آتی ہی کیا خوشنما مجھے

روزِ الست میں تو "بلا" کہکے پھنس گیا
طوقِ بلا یہی - یہی دامِ بلا مجھے

یہ عشق کی ہیں ساری مری سینہ سوزیاں
دل میں گداز سوزنے ہی دیدیا مجھے

ہوں شاد اپنے جلوے سے تو اور شاد کر
میری طلب یہی ہے یہی دے خدا مجھے

غزل مشاعرہ مائل۔ بتاریخ ۵۔ صفر ۱۳۳۳ھ مقام مسند

داستانِ زندگانی ان کی اب افسانہ ہے
بزمِ عالم حضرتِ مائل کا ماتم خانہ ہے

شمع روئے یار کا یہ دل مرا پروانہ ہے
گیسوؤں کا اس کے جو عاشق ہے وہ دیوانہ ہے

کیوں نہ تڑپیں آتشِ الفت میں اس کی روز و شب
ہر سر مو اپنا جو ہے وہ پر پروانہ ہے

در خورِ محفل ہوا ہے کس طرح پوچھے کوئی
کام واعظ کا یہاں کیا محفلِ رندانہ ہے

دل ہے مضطر چشم تر ہے لب پہ ہے آہ و فغاں
پوچھتے ہو کیا بھلا تم حال بیتابانہ ہے

آئینگے میخوار لیکر اپنا اپنا جامِ دل
جب تلک اے پیرِ مغاں قائم ترا میخانہ ہے

ہم بھی ہیں پیرِ مغاں کے اک فقیرِ بینوا
ہونے دو گر ٹھاٹھ ان کا آج کل شاہانہ ہے

ہے تغیر ہر زماں لازم زمانہ کے لئے
کل کے دن آباد جو تھا آج وہ ویرانہ ہے

ہر تعین اور ہر اک شکل ہے صورت گری
عالمِ تکوین نگاہوں میں مری بتخانہ ہے

کر نظر ہمت پہ اپنی ساقیا مجھ کو نہ دیکھ
دل جو میرا ہے وہ اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ہے

ہی لقب میرا خماری کیوں نہ ہوتی مستی مجھے | معرفت کی مے ہی جس میں وہ مرا میخانہ ہی

غیر کا اس میں گزر ہو ہی بہت دشوار بات
شاؔد کا یہ دل نہیں ہی یار کا کاشانہ ہی

غزل بتاریخ ۱۷۔ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ مقام مسند

جامِ مے الست سے سرشار ہو گئے | یعنی رہینِ خانۂ خمّار ہو گئے
مدہوش ہو کے ہوش میں آنا غضب ہوا | دنیا کے کاروبار سے بیکار ہو گئے
یارب ہماری داد کی اچھی دوا ملی | ہم خواہشِ طبیب میں بیمار ہو گئے
دل میں ہوائے گیسوے دلدار کیا بسی | بیٹھے بٹھائے مفت گرفتار ہو گئے
اِن لن ترانیوں سے تری آج سیکڑوں | موسیٰ کی طرح طالبِ دیدار ہو گئے
لیکر عزیز مصر وہ بازارِ عشق میں | کیا خوب آپنے آپ خریدار ہو گئے

کافر ہوئے ہیں شاؔد ہم اُس بت کے واسطے
شکرِ خدا کہ صاحبِ زنار ہو گئے

غزل بتاریخ ۱۰۔ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ مسند

واصل حق بھی ہی انسان خلق میں شامل بھی ہی
عارفِ کامل بھی ہی یہ ناقص و جاہل بھی ہی

آدمی خالی نہیں ہے ہر صفت سے ذات کی
پھر یہی مرآۃِ حق آئینۂ باطل بھی ہے

کھیل سب ذات و صفت کا دو جہاں میں ہے عیاں
ہے منزّہ ذاتِ حق تشبیہہ پر مائل بھی ہے

آشنائے بحرِ وحدت کا ہے یہ عارف سوال
انتہا بھی اس کی ہے اس بحر کا ساحل بھی ہے

کہتے ہیں اہلِ بصیرت شاد کا پڑھکر کلام
صاحبِ دل ہے محقق صوفیِ کامل بھی ہے

غزل بتاریخ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ مقام مسند

منتظر کیوں ہے لگی دل کی بجھانے والے
پوچھ کر دیتے ہیں کیا جام پلانے والے

اپنے ہی نام کا اب آکے بٹھا دے سکّہ
غیر کا نام مرے دل سے مٹانے والے

ناصحا آگ محبت کی کہیں بجھتی ہے
دیکھے ہیں ہم نے بہت ایسے بجھانے والے

نفی میں کس کی کروں تو ہی بتادے اے شیخ
آپ اپنے کو مٹاتے ہیں مٹانے والے

تجھ کو ہی ڈھونڈھتے ہیں دیر و حرم میں ہر دم
چلے ہنے ولے ترے ڈھونڈ کے پانیوالے

عرض کر شاد یہ خواجہ سے کہ اے بندہ نواز
دیر کیا ہے مری بگڑی کے بنانے والے

غزل بتاریخ ۲۵- جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ شب جمعہ

سمجھے جو کوئی مہر و وفا کو یہ ستم ہی
ایسے سے عبث ہم کو تمنائے کرم ہی

کہتے ہیں جسے لوح وہ ہی سینۂ عاشق
کہتے ہیں ارادہ جسے وہ رازِ قلم ہی

نیرنگیٔ قدرت ہی فقط ایک تماشہ
ہی کس کا وجود اور کہو کس کا عدم ہی

اس میں ہی نہاں رازِ حقیقت ہی جہاں تک
پہلو میں مرے دل نہیں یہ ساغرِ جم ہی

تھا کس کا تقاضا ارنی کون پکارا
انکار کیا کس نے کہو میری قسم ہی

حیرت کدۂ دہر تو ہی آئینہ خانہ
پھر فرصتِ دیدار تجھے کس لیے کم ہی

طوفان کرم صورت دریا کی ہی تشبیہ
جو لطف ہی اس کا وہی سیلابِ کرم ہی

ہم پوجنے والے ہیں محبت ہی بتوں سے
کافر جو ہی وہ دشمنِ اربابِ حرم ہی

کہتے ہیں عنایت سے یہ اربابِ معانی
زندہ رہے تو شاد غنیمت ترا دم ہی

غزل ۲۵- جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ مقام مسند

بیتے جی مرتے ہیں تجھ پر ترے مرنے والے
یوں گزر جاتے ہیں ہستی سے گزرنے والے

اور آئینہ نہیں کوئی مقابل لیکن
مری آنکھوں میں سنورتے ہیں سنورنے والے

دل میں آنے کے لیے آنکھ سے بہتر نہیں راہ
اسی رستہ سے گزرتے ہیں گزرنے والے

خود بخود آپ مرے دل میں اُتر آتے ہیں
ایسے نقشے نہیں مانی سے اُترنے والے

کب وہ ڈرتے ہیں قضا سے اُنھیں کیا موت کا غم
آپ کے عشق میں جو لوگ ہیں مرنے والے

وعدہ کر کے بھی وہ انجان ہوئے جاتے ہیں
ایسے دیکھے ہی نہیں ہم نے مکرنے والے

حضرتِ شاد ہی اک رہ گئے دنیا بھر میں
آپ کی جان سے دور آپ پہ مرنے والے

غزل بتاریخ ۲۹- جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ روز شنبہ مسند

خوگر جو درد کا ہی تو فریاد کس لئے
ملتا ہی لطف کیا تجھے میرے ستانے میں

زاری و آہ ای دلِ ناشاد کس لیے
کرتا ہی ظلم او ستم ایجاد کس لیے

میں خود پھنسا ہوا ہوں ترے دامِ زلف میں
پھندے بچھائے باغ میں صیاد کس لیے

پیکر شرابِ عشق بنا ہوں میں ہوشیار
دیوانہ جانتے ہیں پری زاد کس لیے

مخفی نہ رکھیں مجھ سے جو کہنا ہو آپ کو
حاضر ہی پھر یہ تابعِ ارشاد کس لیے

قسمت کا ہو رہے گا جو ہونا ہی ایکدن
کرتا ہی فکر اے دلِ ناشاد کس لیے

اے شاد کفر و دیں کے بکھیڑے سے باز آ
ہوتا نہیں ہی ان سے تو آزاد کس لیے

غزل

بتاریخ ۲۹- جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ روز شنبہ مقام مسند

سیر عالم کی کیا کرتے ہیں آتے جاتے
اپنا ہم رنگ جہاں پر ہیں جماتے جاتے

کبھی قطرہ کبھی دریا کبھی سیلاب حباب
شکل یوں اپنی ہیں ہر وقت دکھاتے جاتے

اور کیا زادِ سفر جائیں گے یاں سے لیکر
معرفت اپنی لیے جاتے ہیں جاتے جاتے

ہم ہی چھائے ہوئے ہیں عالمِ تکوین میں شیخ
کعبہ و دیر میں ہم ہی ہیں سماتے جاتے

اُن کے آنے کی خبر سن کے ہوئے وارفتہ
فرشِ رہ آنکھیں ہیں ہم اپنی بچھاتے جاتے

جس کی تکمیل ہوئی عشق میں کامل وہ ہوا
یہی اک آگ ہیں ہم جی سے بجاتے جاتے

میکشِ روزِ ازل ہیں نہیں تقوی سے غرض
خم کے خم شاد ہیں ہر وقت لنڈھاتے جاتے

غزل بتاریخ ۱۰۔ رجب ۱۳۳۲ھ روز شنبہ مقام مسند

ناسازیِ جگر کا شکوہ کروں تو کس سے
اس شوخ فتنہ گر کا شکوہ کروں تو کس سے

اوڑھا ہی آج اُس نے پھر صندلیں دوپٹا
میں اپنے دردِ سر کا شکوہ کروں تو کس سے

میرے جسم اور جاں کو ظالم نے پھونک ڈالا
اس آہ کے اثر کا شکوہ کروں تو کس سے

اُمید نفع کی میں رکھوں تو کس سے رکھوں
نقصان کا ضرر کا شکوہ کروں تو کس سے

آیا حدیث میں جب علمُ حجاب اکبر
پھر علم کے ضرر کا شکوہ کروں تو کس سے

اُس کا ہی ہو گیا ہی جب سے اُدھر گیا ہی
میں اپنے نامہ بر کا شکوہ کروں تو کس سے

خود اپنے دل کو میں نے اس کا ہدف بنایا
اب ناوکِ نظر کا شکوہ کروں تو کس سے

یہ سوزِ عشق یا رب آفت ہی یا بلا ہی
اس آگ کے شرر کا شکوہ کروں تو کس سے

ہو بیر آسماں کو اہلِ ہنر سے ای شاد
ناقدر ہی ہنر کا شکوہ کروں تو کس سے

غزل بتاریخ ۱۰ رجب ۱۳۲۳ھ سہ شنبہ مقام مسند

مرضِ عشق کی کیا کوئی دوا ہوتی ہی
کہیں بیمارِ محبت کو شفا ہوتی ہی

روح اور جسم میں ہی واجب و ممکن کا فرق
ہی فنا جسم کو. کب روح فنا ہوتی ہی

دردمندوں کی تو فریاد سے بچنا ای چرخ
صاحبِ درد کی مقبول دعا ہوتی ہی

یہی زینہ ہی رسائی کا فلک تک ای شیخ
نہو گر عشق تو کب آہ رسا ہوتی ہی

کوچۂ یار میں کیوں جمع ہوئے ہیں عشاق
کیا قیامت بھی وہاں آج بپا ہوتی ہی

کس پہ دوں جان نہ دوں کس پہ بڑی مشکل ہی
دلربا یار کی ہر ایک ادا ہوتی ہی

مستحقِ لطف و عنایت کے وہی ہوتے ہیں
جن سے ہوتا ہی گنہ جن سے خطا ہوتی ہی

کیا کسی عاشقِ بیتاب کا دل پھانس لیا
کیوں پریشان تری زلفِ دوتا ہوتی ہی

تذکرہ میرا ہوا کرتا ہی ہر روز وہاں
سنتے ہیں یاد وہاں صبح و مسا ہوتی ہی

بلبلو صبر کرو آئے گی گلشن میں بہار
کہ خزاں کی تو فقط ایک ہوا ہوتی ہی

	جو طلب اُس سے میں کرتا ہوں مجھے دیتا ہی شاد مقبول ہر اک میری دعا کرتی ہی	

غزل ۱۰- رجب ۱۳۳۳ھ روز سہ شنبہ مقام سند

ہماری قید ہستی کم نہیں اب قید زنداں سے
کیا ہی دل نے پیدا سلسلہ زلفِ پریشاں سے

فدا ہوں جس پہ میں دل سے اُسی سے کام ہی مجھکو
نہ ہوں میں درد کا خواہاں غرض مجھ کو نہ درماں سے

ہمارا بت ہمارے پاس ہی اس دل کے مندر میں
کسے ہی دیو سے مطلب کسے ہی کام شیطاں سے

ذرا گردن جھکائی اور دیکھا اس کی صورت کو
نہ چوکیدار سے ڈر ہی نہ ہی کچھ خوف درباں سے

کہاں وہ حضرتِ یوسف کہاں وہ مصر کا بازار
زلیخا کی محبّت کھینچ لائی چاہِ کنعاں سے

یہی ہی آستانہ اور مسکن بھی یہی تیرا
کہاں جاتی ہی بلبل اُڑ کے پھر تو اس گلستاں سے

ترے مندر میں اس کے کعبے میں روشن ہی کس کا نور
کوئی اتنا تو پوچھے جا کے ہندو سے مسلماں سے
منانے سے نہیں منتا ہٹیلا ہی وہ بت کم سن
پڑا ہی سابقہ آکر مجھے اس یار ناداں سے
مرا مشرب ہی یک در گیر و محکم گیر اے آقا
مثالِ سایہ ہوں لپٹا ہوا میں تیرے داماں سے
فدائی ہوں نمک خوارِ قدیمی ہوں ترے در کا
مرا یہ سلسلہ ملتا ہی چندو لعل شاداں سے

محقق اور صوفی ہوں مرا ہی صلح کل مشرب
مجھے مطلب نہیں اے شاد کچھ بھی کفر و ایماں سے

غزل ۱۰۔ رجب ۱۳۳۳ھ روز سہ شنبہ مقام مسند

ترحم ناتوانی خستہ حالی ہوتی جاتی ہے
ہماری شکل تصویرِ خیالی ہوتی جاتی ہی
ہوئی جاتی ہی شانِ بے نیازی تجھ میں اب پیدا
تری جو بزم ہی وہ لاابالی ہوتی جاتی ہی

یہی شان کریمی ہی اسی سے نیکنامی ہی
جو تھے معتوب ان کی پھر بحالی ہوتی جاتی ہی

مبارک میکشوں کو ہوگی حاصل خوب کیفیت
پُرانی اب شراب پرتگالی ہوتی جاتی ہی

جدھر دیکھو اُدھر جلوہ ہی بجلی کے چراغوں کا
دکن کے ملک میں ہر شب دوالی ہوتی جاتی ہی

ہوا ہی شوق جب سے میرے شہ کو شعر گوئی کا
جہاں دیکھو وہاں رنگیں مقالی ہوتی جاتی ہی

ملی ہی جب سے آزادی نہیں ہی کوئی فریادی
بہت چالاک اب یہ کوتوالی ہوتی جاتی ہی

ق

ترقی ہی ادھر اولاد میں احفاد میں ہر دم
بری ہر روز حالت میری مالی ہوتی جاتی ہی

مگر اے شاد کیا ڈر ہی سخی ہی میرا اندا تا
بھرے گی خوب یہ پاکٹ جو خالی ہوتی جاتی ہی

غزل بتاریخ ۵۔ شعبان ۱۳۳۳ھ روز شنبہ بمقام تاج محل

جو تری بھٹی کا ای پیرِ مغاں مے نوش ہے / پھر کہیں دنیا و ما فیہا کا اس کو ہوش ہے

رند جو اُس خم میں ہے مستِ مے مدہوش ہے / دور میں ہے جام ہر سو شورِ نوشا نوش ہے

جس نے پایا وہ بھی چپ ہے اور جاہل بھی خموش / جس کو دیکھو معرفت کی راہ میں خاموش ہے

خاص نسبت ہے ہر اک ذرّے کو اُس خورشید سے / ذات ہر اسمِ صفت سے اس کے ہم آغوش ہے

ہے مرے پیشِ نظر ہر دم مرا خورشید رو / دید سے درشن سے اس کے کس کو واعظ ہوش ہے

کام کیا تیرے گدا کو اطلس و کمخواب سے / فقر کا خلعت ملا اُس کو وہ خرقہ پوش ہے

اُس کو جلوہ کر رہا ہے شادؔ اُس کو آشکار / پردۂ محمل میں لیلےٰ کس لئے روپوش ہے

غزل بتاریخ ۵۔ شعبان ۱۳۳۳ھ روز شنبہ بمقام تاج محل

نہاں ہو کے تم ہو عیاں کیسے کیسے / مکیں ہو کے ہو لامکاں کیسے کیسے

تمھیں مہرباں کہتی ہے ساری خلقت / مگر پھر ہو نامہرباں کیسے کیسے

ہیں شیریں زبانی کے قربان جاؤں / کہ رکھتے ہو تم بھی زباں کیسے کیسے

نہ بانگِ درا ہے نہ نقشِ قدم ہے / یہاں لٹ گئے کارواں کیسے کیسے

ذرا دیکھ بلبل مٹائے خزاں نے / گل و گلشن و آشیاں کیسے کیسے

مُریدانِ پیرِ مغاں میکدے میں | نظر آتے ہیں شاد ماں کیسے کیسے

مرے واسطے شاد لائے ہیں دیکھو
شب وصل وہ ارمغاں کیسے کیسے

غزل بتاریخ ۹۔ شعبان ۱۳۳۳ھ روز چہار شنبہ بمقام تاج محل

ہے نہ مندر میں نہ مسجد میں نہاں یاد رہے | نور اُس کا ہے ہر اک جا سے عیاں یاد رہے
سوزشِ عشق ہے صورت سے عیاں یاد رہے | نہیں بیوجہ مرا دل ہے تپاں یاد رہے
فصلِ گل بادِ بہاری پہ نہ اترا بلبل | آئے گی باغ میں اک روز خزاں یاد رہے
تم کو ابرو پہ گھمنڈ اور مژہ پر ہے ناز | ہونگے بیکار یہی تیر و کماں یاد رہے
مجھے دے کہ نہ دے مست بنا یا نہ بنا | اُٹھ کے جاؤنگا نہ ای پیرِ مغاں یاد رہے
غیر سے عشق کیا ہے نہ کرونگا ہرگز | بدگماں مجھ سے نہ ہو جانِ جہاں یاد رہے
بندۂ عشق ہوئے دونوں جہاں سے آزاد | اب کہاں دل میں غمِ سود و زیاں یاد رہے
صرف بھٹی پہ جوانی ہوئی ای بادہ فروش | اب چھوڑونگا کبھی تیری دکاں یاد رہے

دل جو ہے شاد کا ای میرے دُلارے خواجہ
دیر و کعبہ نہیں ہے تیرا مکاں یاد رہے

غزل بتاریخ ۱۵ شعبان ۱۳۳۲ھ روز سہ شنبہ مقام تاج محل

اگر محبت مرے دل میں تری پیدا ہو جائے
آرزو میری مرے شوق پہ شیدا ہو جائے

تیرے عاشق کو ہو آزار تو جائے نہ کبھی
درد بھی تیری محبت میں تمنا ہو جائے

میں بھی دیکھوں وہ مقابل کا ترے ہے کہ نہیں
دوسرا کوئی تو تجھ سا کہیں پیدا ہو جائے

لیکے دل دیجئے ہم کو بھی تو اپنے دل کو
آپ کا نام ہو اور کام ہمارا ہو جائے

ہمیں عزت ہے محبت میں اگر ذلت ہو
نیکنامی ہے جو عاشق کوئی رسوا ہو جائے

اپنی حد سے اگر انسان گزر جائے کبھی
سچ تو یہ ہے کہ خدا جانے وہ کیا کیا ہو جائے

آپ جو مانگیں ملے وصل کی ٹھہرے نہ کبھی
شاد چاہے وہ نہ ہو آپکا چاہا ہو جائے

غزل بتاریخ ۲۰ شعبان ۱۳۳۲ھ روز یکشنبہ مقام مسند

جی جلانا ظلم اُٹھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
پھر وہاں ہر روز جانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

لولوئے لالہ سے گوہر اشک کے کچھ کم نہیں
اس طرح آنسو بہانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

پاؤں میں مہندی لگا کر کہتے ہیں قاصد سے وہ
عذر کرنے کو بہانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

واں ذرا ابرو ہلی ہم ہو گئے بسمل یہاں
خاک پر یوں تلملانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

دیدیئے بے سوچے دل کے ساتھ سب تن و حواس
خانۂ دل کو لُٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

بیٹھکر دشمن کے پہلو مین یہ کہتے ہیں مجھے | بر ملا تجھ کو جلانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
اپنی صورت اب نظر آنے لگی ہی چار سو | شکل یوں اپنی دکھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
واں اگر ابرو ہلی یاں سر جھکا یا قتل کو | بات کا یوں تاڑ جانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

دیکے دل ای شاد اُس کو دلمین بھی گھر کر لیا
یار کے دل میں سمانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

غزل بتاریخ ۴۔ رمضان ۱۳۲۳ھ روز سہ شنبہ

مقام مسند مبارک

کیا میں ہوں مجھ کو اپنی کچھ بھی خبر نہیں ہی | سمجھوں اگر میں ہوں وہ تو بشر نہیں ہی
قاتل اگر نہیں ہی پھر کون ہی وہ ظالم | کیا بیوفا نہیں ہی کیا فتنہ گر نہیں ہی
دریا میانِ قطرہ قدرت تو اس کی دیکھو | ہر وقت ہی وہ ہم میں ہم کو خبر نہیں ہی
یہ کیا ہی سارا عالم ہی روپ سب یہ کس کے | کیا کوئی اور بھی ہی وہ آپ اگر نہیں ہی
پہنچینگے ہم نہ کیونکر منزل کو اپنی اکدن | کیا راہبر نہیں ہی کیا رہ گزر نہیں ہی
قبلے کی قید کیوں ہی سجدہ کریں جو اُس کو | وہ سمت کونسی ہی وہ بُت جدھر نہیں ہی

آتا ہی میرے دل کو تسکین دینے والا
نالوں میں شاد میرے کیونکر اثر نہیں ہی

غزل بتاریخ ۱۶ ذی حجہ ۱۳۲۳ھ مقام تاج محل مبارک

آنکھ کو اس کی جو دیکھا تو ہرن بھول گئے
قد کو دیکھا تو سبھی سروِ چمن بھول گئے

رُخ کو دیکھا جو ترے رنگِ چمن بھول گئے
زلف کو دیکھ کے سب پیچ و شکن بھول گئے

آ کے دنیا میں ہوئے محوِ تغافل ایسے
ای غریب الوطنی اپنا وطن بھول گئے

عیش و عشرت کے جو ساماں میسّر آئے
علم کو چھوڑ دیا جتنے تھے فن بھول گئے

غیر کے ہو رہے اپنا اُسے سمجھا افسوس
اور اپنے کو تم ای مشفقِ من بھول گئے

تازہ مے ہے نئی محفل ہے نیا ساقی ہے
اب تو وہ صحبتِ یارانِ کہن بھول گئے

خوگرِ کنجِ قفس ہائے اسیری نے کیا
اک زمانہ ہوا گلگشتِ چمن بھول گئے

تیرے چہرے کی وہ سُرخی کہ شفق پھولی ہے
جب سے دیکھا ہے اسے لعلِ یمن بھول گئے

سادگی عالمِ طفلی کی کہاں ہے باقی
اب جواں ہو گئے بیساختہ پن بھول گئے

چشمِ مستانہ ساقی ترے صدقے جاؤں
عہد و پیماں ترے سب زہد شکن بھول گئے

ایک ہی ایک ان آنکھوں سے نظر آتا ہے
تیری آنکھوں کی قسم گنگ و جمن بھول گئے

اب کہاں یوسفِ مصری ہے زلیخا ہے کہاں
کس کی چاہت ہے اب چاہِ ذقن بھول گئے

یہ خموشی بھی معمّا ہے ترا ای گلرو
بات کرنا بھی ہم ای غنچہ دہن بھول گئے

ہائے وہ درد کہاں اور کہاں سوزِ جگر
وہ تپش بھول گئے دل کی لگن بھول گئے

عاشقی کے ہوئے چرچے جو تمہارے ای شاد	لوگ افسانۂ لیلیٰ و دمن بھول گئے

غزل بتاریخ ۲۰ محرم ۱۳۳۴ھ روز یکشنبہ بمقام تاج محل

نہ کر تو دیر ساقیا کہ قلب بیقرار ہے — بہت دنوں سے منتظر کرم کا بادہ خوار ہے

مرید پیرِ میکدہ ہوں بس یہی پکار ہے — شراب دے کباب دے شباب ہے بہار ہے

اِدھر ہی میکدہ بنا اُدھر ہی خانہ خدا — یہ لطفِ زندگی مرا وہ آخرت کا یار ہے

کوئی ہے پوجتا صنم کوئی رواں سوئے حرم — کوئی پیادہ راہرو تو کوئی شہسوار ہے

کسی کے پاس خیرہ و کوئی کسی کے روبرو — کوئی ہے پردہ در تو کوئی پردہ دار ہے

کوئی کہے انا انا کوئی کہے خدا خدا — کہیں عیاں ہے کچھ صدا کہیں کوئی پکار ہے

کہیں فساد عشق کا کہیں ترانہ فسق کا — کسی کے دل میں نور ہے کسی کے دل میں نار ہے

کہیں تلاشِ سوز ہے کسی کا دل ہے سوختہ — کسی کو شوقِ صید ہے تو کوئی خود شکار ہے

کہیں جو دیکھو صرف دھوپ کہیں عیاں [کسی کا روپ] — کہیں خزاں کی سیر ہے کہیں بڑی بہار ہے

عجب ہیں رنگ ذات کے کرشمے ہیں صفات کے — کہیں سجا ہے فرشِ گل کہیں نمودِ خار ہے

کہیں مرید ہے وہی کہیں مراد ہے وہی — کہیں ہے گل وہ باغ میں کہیں وہی ہزار ہے

اسی کا نور دیدہ میں وہی ہے ذرے ذرے میں — وہی تو شاد ہے نہاں وہی ہے آشکار ہے

غزل مشاعرہ میکش۔ بتاریخ ۴۔ صفر ۱۳۳۲ھ بروز یکشنبہ

مقام تاج محل

نہ پوچھ بہرِ خدا دل کی آرزو ہم سے
ہمیں یہ ڈر ہے کہ آزردہ ہو نہ تو ہم سے

یہ چھیڑ ٹھیک نہیں شوخِ جنگجو ہم سے
زباں دراز نہ کر بات دو بدو ہم سے

بڑے ہی رند بھی صوفی بھی تھے خدا بخشے
نہ پوچھ حضرت میکش کی بچ تو ہم سے

بغیر رحمتِ پروردگار اے ہم چشم
نہ ہو سکے گی گناہوں کی شست و شو ہم سے

ترے ہی میکدہ کی خاک سے ہے اپنا وجود
نہیں ہے سہل جو ساقی چھٹے سبو ہم سے

کوئی غرض ہے کوئی چال ہے ضرور اس میں
وہ آج لطف سے کرتے ہیں گفتگو ہم سے

جو سخت جاں مجھے پایا تو بولا وہ قاتل
کبھی کٹے گی نہ اس کی رگِ گلو ہم سے

اڑائیں دستِ جنوں نے وہ دھجیاں اس کی
کہ ہو سکا نہ گریباں کا رفو ہم سے

اَنَا وَ اَنتَ یہ کہنے کی صرف باتیں ہیں
کبھی نہ تجھ سے جدا ہو سکے ہم۔ نہ تو ہم سے

جو آپ ہم نے بیاں کی تو لطف کیا اے دل
مزہ تو جب ہے کہ وہ پوچھیں آرزو ہم سے

برائیوں کو سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں
نہیں ہمارا زیادہ کوئی عدو ہم سے

ذرا تو دل کو ہمارے نشاط ہو حاصل
چھپا نہ اپنی تو آوازِ خوش گلو ہم سے

طلب ہے دل کی ہمارے کہ جان کی خواہش
بیاں کیوں نہیں کرتے تم آرزو ہم سے

سوال وصل کیا ہی جواب دے اُس کا
لڑائی لڑتا ہی کیوں شوخ جنگجو ہم سے

ترے کرم پہ بھروسا ہی اپنی بخشش کا
نماز ہوتی ہی یارب نہ کچھ وضو ہم سے

یہ کہہ رہے ہیں کرشمے بہار قدرت کے
چمن میں ہم سے ہی گل گل میں رنگ و بو ہم سے

عدو سے ہوتی ہیں باتیں جو اُن کی فکر نہیں
بڑھی ہوئی ہی اشاروں کی گفتگو ہم سے

ہوئی ہی صبح مسافر سفر کا ساماں کر
یہ صاف کہتا ہی رنگ سفید مو ہم سے

اُسے تلاش کرینگے ہم اپنے ہی دل میں
نہ ہو سکے گی کہیں شاد جستجو ہم سے

غزل بتاریخ ۲۸۔ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ روز پنجشنبہ

مقام اجمیر شریف (کوٹھی بھرتپور والی رانی)

مرا خواجہ جس میں ہی وہ دل یہی ہی
نہاں جس میں لیلی ہی محمل یہی ہی

ترے ناوک ناز کا ہی جو زخمی
وہ بسمل یہی ہی وہ بسمل یہی ہی

اداؤں سے جس کی زمانہ ہی گھائل
وہ قاتل یہی ہی وہ قاتل یہی ہی

بلائیں کہکے جس نے بلائیں پھنسایا
وہ کمبخت ناداں مرا دل یہی ہی

بگڑ کر بنا بُت کدہ سے جو کعبہ
خدا کی قسم ہی کہ وہ دل یہی ہی

فنا کر دے ہستی کو اپنی اسی میں
مگر عارفو عیش کامل یہی ہی

کچھ آساں نہیں دعوئ عشق و الفت | جو مشکل نہ حل ہو وہ مشکل یہی ہی
مرے دل میں آؤ کہ گھر ہی تمہارا | تمہاری سکونت کے قابل یہی ہی

اُسی دل میں ہی سوز اور ساز دونوں
اِدھر آؤ ای شاد محفل یہی ہی

غزل بتاریخ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ روز پنجشنبہ

مقام اجمیر شریف کوٹھی بھرتپور والی رانی

گر یہی جور و جفا گر یہی بیداد رہے
کیوں نہ پھر شاد کا دل بھی دلِ ناشاد رہے

ہی جو بسمل کے تڑپنے کا تماشا منظور
تیز کچھ اور سوا خنجرِ بیداد رہے

کیا بھلا کوئی سُنے شیشۂ دل کی جھنکار
نغمۂ درد کی صورت میں جو فریاد رہے

نہ امارت کی ہی صورت نہ فقیری کی ہی شان
ہم بھی ہیں کوئی جہاں میں ہمیں کیا یاد رہے

تم اگر بھولتے ہو ہم کو تمہاری مرضی

ہم نہیں بھولتے ہیں تم کو ذرا یاد رہے

وصل اور ہجر میں دونوں کے نرالے انداز

کس طرح یہ دلِ ناشاد مرا یاد رہے

نہ تو آپ آتے ہیں دل میں نہ بلاتے ہیں مجھے

دیکھوں کب تک یہ جفا اور یہ بیداد رہے

تیرے کوچہ کی ہوس اور وطن میں ہوں بند

کس طرح پھر نہ تمنّا مری برباد رہے

اپنا تم کہہ چکے غیروں کا ہوں پھر بھی غلام

نئی بیداد ہی مجھ پر یہ ذرا یاد رہے

ایک چلو کی تمنا ہی پلا دے داتا

تو سلامت رہے بھٹّی تری آباد رہے

کاش یوں اپنی زباں سے کریں ارشاد حضور

شاد بندہ ہے مرا خوش رہے دلشاد رہے

غزل بتاریخ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ روز سہ شنبہ بمقام اجمیر شریف (کوٹھی بھرتپور والی رانی)

کب اس اجمیر میں تقدیر لیے پھرتی ہی
بخدا آپ کی تسخیر لیے پھرتی ہی

دل مرا آینۂ حُسن ہی تیرا خواجہ
آنکھ میری تری تصویر لیے پھرتی ہی

خالِ رخسار کا صید ہی ادھر طائرِ دل
دامِ اُدھر زلفِ گرہ گیر لیے پھرتی ہی

کیا ہی تقدیر ہی سودائی کی تیرے خواجہ
زلف اس کے لیے زنجیر لیے پھرتی ہی

خاک کوچے کی ترے خاکِ شفا ہی بیشک
یوں مجھے خواہشِ اکسیر لیے پھرتی ہی

رات کو دن پہ فضیلت ہی اسی باعث سے
پرتوِ گیسوئے شبگیر لیے پھرتی ہی

تو کہاں شاد. کہاں کوچۂ خواجہ لیکن
سچ تو یہ ہی تری تقدیر لیے پھرتی ہی

غزل بتاریخ ۱۶- جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ روز پنجشنبہ بمقام تاج محل

یہ جو لوگ کہتے ہیں ہم بھی کچھ رہِ عاشقی میں فنا ہوئے
کوئی ان سے اتنا تو پوچھ لے کہ وہ کیا تھے اور وہ کیا ہوئے

نہ وہ گل ہوئے نہ وہ دل ہوئے نہ بطِ شراب کے قل ہوئے
نہ بنے نسیم وہ باغ میں نہ فلک پہ جا کے گھٹا ہوئے

پسے عشق میں جو زیادہ ہم تو ہمارا خون روا ہوا
ہوئے سبز عشق کے باغ میں تو مثالِ برگِ حنا ہوئے
ہوئے ترک جاہ و حشم سبھی نہ تو غم رہا نہ خوشی ہی
بنے ملکِ فقر کے بادشاہ ترے در کے جب سے گدا ہوئے

کریں بندگی جو خدا کی شاد وہ دل کی پائینگے ہر مراد
جو مٹے ہوئے رہِ خاک میں تو انھیں کے بخت رسا ہوئے

غزل بتاریخ ۲۱۔ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ روز شنبہ

مقام مسنار

کوئی اُس کا پتہ کیا جانے کیا ہی
ہی بندہ یا خدا کیا جانے کیا ہی

مسیحا سے کوئی کہدے یہ جاکر
محبت کی دوا کیا جانے کیا ہی

مریضِ عشق کی ہی زندگی موت
دوا کیا ہی شفا کیا جانے کیا ہی

مےُ الفت سے جب واقف نہیں شیخ
پھر اُس کا وہ مزہ کیا جانے کیا ہی

ابھی نامِ خدا وہ بُت ہی کمسن
ادب کیا ہی حیا کیا جانے کیا ہی

کسے کہتے ہیں سوزِ عشق جاناں
مری آہِ رسا کیا جانے کیا ہی

بجز اُس کے ہمارے دل کا احوال
کوئی اس کے سوا کیا جانے کیا ہی

طلب کا جو کوئی عادی نہیں ہی | الٰہی وہ دعا کیا جانے کیا ہی

کوئی جب تک فنا اُس میں نہ ہو شاد
بھلا اُس کا پتا کیا جانے کیا ہی

غزل بتاریخ ۱۵۔ ماہ رجب ۱۳۳۱ھ روز پنجشنبہ تاج محل

ہمیشہ اس کے جلوے کا تماشہ دیکھتے رہیے | ہر اک فقرے میں جلوہ آپ اُس کا دیکھتے رہیے

نہ آئے گا وہ وعدے پر نہ رستہ دیکھتے رہیے | نہیں سنتے جوابِ ل تو اچھا دیکھتے رہیے

یہی دل میں سمایا ہی یہ آنکھوں کا تقاضا ہی | کہ بس آٹھوں پہر چہرہ تمہارا دیکھتے رہیے

نہ جلدی کیجئے اے حضرتِ دل وصلِ دلبر کی | کسی دن آہی نکلے گا وہ رستا دیکھتے رہیے

وہاں یہ شرم دم بھر بھی نقاب اُٹھتی نہیں رخ سے | یہاں یہ شوق ہر دم روئے زیبا دیکھتے رہیے

برائی ہو بھلائی ہو جو ہونا ہی وہی ہو گا | دکھائی جائے گی تقدیر کیا کیا دیکھتے رہیے

نہ مندر میں نہ مسجد میں نہ کعبہ میں اسے سمجھو
مراقب ہو کے اُس کا شاد جلوہ دیکھتے رہیے

غزل بتاریخ ۲۹۔ رجب ۱۳۳۱ھ مقام کرمن گھٹ سرور نگر

اے عشق تو نے دی ہی اگر چشمِ تر مجھے
پھر کیوں جلا رہا ہی یہ سوزِ جگر مجھے

کس دن مصیبتوں سے فراغت ہوئی نصیب
باقی ہی کیا۔ ہو جس پہ قیامت کا ڈر مجھے

بازارِ عشق میں نہیں سود و زیاں سے کام
پروا نہیں جو نفع کی پھر کیا ضرر مجھے

توشے کی فکر ہی کہ مہیا کروں میں کچھ
درپیش آخرت کا ہی اک دن سفر مجھے

کس روز میرے باغ میں آے گی پھر بہار
کچھ تو سُنا پیام نسیمِ سحر مجھے

کس کی خبر منگاؤں میں قاصد کو بھیجکر
ملتی ہی اس کی دل کی ہمیشہ خبر مجھے

چاہے زمانہ مجھ سے بدل جائے خوف کیا
ای شادؔ بس ہی مہر کی اس کی نظر مجھے

عرض حال

بدرگاہِ حضرت خواجہ غریب نوازؒ بطور غزل بمقام اسٹیشن ترپور

بتاریخ ۵۔ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ روز چہارشنبہ بوقت شب

کیوں مجھے اتنا ستاتے ہو ارادہ کیا ہی
کچھ تو فرماؤ خدا کے لیے منشا کیا ہی

میں تڑپتا ہوں شب و روز زیارت کے لیے
پوچھتے کیوں نہیں آخر سبب اس کا کیا ہی

بے نیازی کی اداؤں کے تصدق جاؤں
شان یہ سب سے انوکھی مرے آقا کیا ہی

اتنی دور آکے زیارت سے رہوں میں محروم
یہ ستم مجھ پہ نیا ای مرے مولا کیا ہی

آہ و زاری پہ بھی آتا نہیں کچھ رحم تمہیں
پوچھتے یہ بھی نہیں ہو کہ تمنّا کیا ہی

آرزو یہ ہی کہ اتنا ہی کبھی پوچھیں آپ
کہدے ای شاد کہ مجھ سے تجھے کہنا کیا ہی

اب دکھا دیجیے للہ وہ پیارا گنبد
مرضِ دل کا مرے اور مداوا کیا ہی

بات تو یہ ہی کہ اس وقت مری بات رہے
ورنہ بیکار ہی سرکار یہ دھندا کیا ہی

خود وہ طالب ہی طلب اپنی ہی اپنا مطلوب
شاد یہ کھیل ہی کیا اور مداوا کیا ہی

ضمیمہ کلام شاد

تازہ غزلیات

غزل بتاریخ ۸۔ ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز شنبہ بمقام مسند مبارک

اُس نے کہا کعبہ ترا میں نے کہا چہرا ترا — اس نے کہا چہرا ترا میں نے کہا جلوا ترا

اُس نے کہا جینا ترا میں نے کہا ہستی تری — اُس نے کہا مرنا ترا میں نے کہا پردا ترا

اُس نے کہا کیا کام ہے میں نے کہا ہر وقت دید — اُس نے کہا کیا شغل ہے میں نے کہا سودا ترا

اُس نے کہا کیا کفر ہے میں نے کہا گیسو ترے — اُس نے کہا اسلام کیا میں نے کہا چہرا ترا

اُس نے کہا دل کیا ہوا میں نے کہا تو نے لیا — اُس نے کہا کیا چپ رہوں میں نے کہا غمزا ترا

اُس نے کہا مندر ہے کیا میں نے کہا ہے دل ترا — اُس نے کہا کعبہ ترا میں نے کہا کوچا ترا

اُس نے کہا مقصد ترا میں نے کہا تو ہی تو ہے — اُس نے کہا قسمت تری میں نے کہا منشا ترا

اُس نے کہا خدمت تری میں نے کہا ہے بندگی — اُس نے کہا ہے نام کیا میں نے کہا بندا ترا

اُس نے کہا وہ کون تھا خلوت میں جو اہلِ وصال
میں نے کہا یہ شاد تھا عاشق ترا شیدا ترا

غزل بتاریخ ۸- ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز شنبہ بمقام مسند مبارک

قاتل کی ایسے شان کی تصویر دیکھنا
ابرو کھچے ہیں برش شمشیر دیکھنا

مومن بھی جس کو دیکھ کے ہو جائیں بت پرست
دیوی بنی ہے حسن کی تصویر دیکھنا

فصل بہار آئی ہے پھر ہے جنوں کا جوش
پھر شور پر ہماری ہے زنجیر دیکھنا

پھر دل میں اور جگر میں کشاکش ہے عشق کی
انجام کیا ہو کاوش تقدیر دیکھنا

حسرت پرست دل کی نہ نکلی گر آرزو
بے رحمیوں سے آہ کی تاثیر دیکھنا

آمادہ جذب پر جو ہو بیقرار شوق
پھر اس کی آہ و نالۂ شبگیر دیکھنا

کام آئے گی ضرور مری بندگی حضور
کچھ لطف آپکا ہے عناں گیر دیکھنا

فضل خدا سے کام بنیں گے ہمارے سب
بدلیگی اپنی گردش تقدیر دیکھنا

قند و نبات یاد نہ آئیں گے پھر کبھی
اے شاد اُن کی لذت تقریر دیکھنا

غزل بتاریخ ۱۱- ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز شنبہ بمقام محبوب نگر

اے پیر مغاں من دہ بادۂ دیرین را
این مست الستی را این مرد خدا بین را

این دختر رز ساقی گر سر بدہی ہو شم
نتواں بکشد غم را نتواں بکشد کین را

برحال من محزون لطف تو بود ساقی
از بادہ بدور آری گر ساغر زرین را

ای زاہد ظاہر بین از می تو چہ می پرسی
روشن بکند دل را گر تو بچشی این را

صہبائے انا الحق را منصور کہ نوشیدہ
باید کہ دہی ساقی این مردِ خدا بین را

من صوفی صافیم بر مشرب نیکانم
زان دوست ہمی دارم مرا مت یقین را

از تاج و نگین و زر از جام و مے و دلبر
ای شاد چنیں باید اسبابِ سلاطین را

غزل بتاریخ ۱۴۔ ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز جمعہ مقام ارجن نگر

چوں ذاتِ تو گشت جلوہ آرا
کونین ز عکس شد ہویدا

چوں سایہ بفرقِ ما فگندی
گشتیم بہ ہر سرو و بالا

یک ذرّہ جدا ز مہر نبود
کز پرتوِ مہر گشت پیدا

در لجّہ و موج نیست فرقے
ہر قطرہ شناس عین دریا

ہر جزو وجود مظہر اوست
بے کُل نبود نمود اجزا

از شان کمال ذات پاک اند
اسما و صفاتِ حق تعالیٰ

خورشید کمال ذاتِ او تافت
در دہر از دست نور پیدا

ہستند گواہ قدرت حق
ایں خلق و زمین و آسمانہا

بگذار خیال غیر ای شاد
مشغول بدوست شو خدا را

غزل بتاریخ ۲۱- ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز جمعہ بمقام مسند مبارک

آزادی خیال نے صوفی بنا دیا
پہلے جہاں میں شاد اسیرِ قیود تھا

نیکی بدی کی قید سے چھٹکارا ہو گیا
گو پہلے زندگی سے زیاں تھا نہ سود تھا

آزاد ہونے پر بھی رہا مبتلائے غم
کیا جانوں کس طرح سے یہ میرا وجود تھا

مسلم کو یہ گمان ہے ہا بت پرست ہوں
ہندو کو حال دل کا مرے کب کشود تھا

رندوں کی طرح ذکرِ شراب آ گیا اگر
لب پر مرے مدام غفور و ودود تھا

ہاں عمرِ رفتہ سے مجھے حاصل ہوا یہ ہیں
صرف اس قدر کہ رفت گیا اور بود تھا

اقرار ہے کہ میں ہوں موحد خدا پرست
گو شاد ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

غزل ۱۹- ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز چہارشنبہ بمقام مسند مبارک

تا خاک کوئے یار بسر می کشیم ما
آشفتگی بہ راہ گذر می کشیم ما

از تیغ ابروے تو جراحت کشیدہ ایم
لذت بدل ز زخم جگر می کشیم ما

دیدیم جز شرارہ نیاید برون سنگ
دیوانہ سان ز زخم خطر می کشیم ما

دردِ فراق تاب تواں ہاے ما ربود
منت نہ نالہ بہر اثر می کشیم ما

دنیاست بحر نقش خیالات نے اثر
بر روئے آب خفت سفر می کشیم ما

تا سجدہ بردہ ایم بدرگاہش از نیاز
احسانِ یار شاد بسر می کشیم ما

غزل بتاریخ ۲۴- ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز دوشنبہ بمقام ارجن نگر

کہتے ہیں فلسفی جسے قائل ہے قال کا
عارف کو بھی یقین ہے نہ دل سے حال کا

منکرِ الہ کا ہے وہ شیدائے مادّہ
یہ چشمِ دل سے دیکھنے والا جمال کا

کہدے جو پیرِ میکدہ تجھ سے تو مان لے
حجّت نکر تو کام نہیں قیل و قال کا

عین الحیاتِ عقل کی ہے جستجو اُسے
عاشق ہمیشہ عشق میں تشنہ وصال کا

انجام کار کا اُسے ہرگز نہیں خیال
آغاز سے ہی اُس کو یقین ہے مآل کا

عقدہ ہے اُس کے پاس معمائے کائنات
یاں منتظر جواب ارنی کے سوال کا

وہ پوست و استخواں پہ ہے مفتون و بیقرار
یہ ہے نثار حسنِ رُخِ لایزال کا

کہتا ہے کوئی کافر و مسلم کوئی مجھے
اے شاد پردہ اٹھ نہ سکا میرے حال کا

غزل بتاریخ ۲۵- ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ روز سہ شنبہ بمقام ارجن نگر

کیا کوئی جنسِ محبّت کا خریدار نہ تھا
کون ایسا تھا جو یوسف کا طرفدار نہ تھا

سارے خوبانِ جہاں آپ کے شیدائی تھے
کون ایسا تھا جو وہ دل سے خریدار نہ تھا

کس کا جلوہ تھا جو یوسف پہ زلیخا تھی فدا
غیر اس راز سے کوئی بھی خبردار نہ تھا

کششِ وصل سے واقف تھا فقط زہرہ یہ
کششِ حسن سے لیکن وہ خبردار نہ تھا

مبتلا خود تھا مسیحا مرضِ الفت میں
مردمِ چشم کا کون آپ کے بیمار نہ تھا

حق پرستی کی فقط عشق سے تعلیم ہوئی
بت پرستی کے سوا کچھ بھی خبردار نہ تھا

بختِ خوابیدہ نے مجھ کو نہ جگایا شبِ وصل
شاد ملنے کو وہ آیا تھا میں بیدار نہ تھا

غزل بتاریخ ۲۵ ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۳۴۳ھ روز سہ شنبہ بمقام ارجن نگر

کیا بیاں کروں تجھ سے عشق کر کے کیا پایا
میں نے سب حسینوں کو شاد بیوفا پایا

سادگی حسینوں کی ایک آفتِ جاں ہے
ان کی کب محبت میں کوئی مدّعا پایا

دل کو اپنے پہلو میں دوست میں نے سمجھا تھا
عشق کی مصیبت میں اس کو بے پتا پایا

درد اگر دیا یارب ہو اثر بھی کچھ اس میں
آج تک تو فرقت میں نالہ نارسا پایا

جس کے دل میں عزت ہے اور جسے حمیت ہے
اس کو بر سرِ میداں جرأت آزما پایا

ترک ہو گئے اک دم اپنے اور بیگانے
آپ کی محبت میں میں نے یہ مزا پایا

نورِ چشم نے اے شاد پائی ہے بصارت پھر
لاکھ شکر ہے رب کا دل کا مدّعا پایا

غزل بتاریخ ۲۹- ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز سہ شنبہ مقام مسند مبارک

عام لوگوں کا جدا یار مرا یار جدا
طور بھی اُن کا جدا جلوہ اظہار جدا

مہر اور قہر کے اُس کے ہیں نرالے انداز
طور پر نور تو دوزخ میں ہے نار جدا

دیر میں کفر کی رونق ہے جدا کعبے میں
رہتی اسلام سے ہے گرمیٔ بازار جدا

زلف و رخ گرچہ ہم ایک ہی معشوق کے ہیں
ظلمت اُس کی ہے جدا اُس کے ہیں انوار جدا

ایک معشوق کا جلوہ حرم و دیر میں ہے
اُس کے طالب ہیں جدا اُس کے طلبگار جدا

عبد و معبود کے لفظوں کے جدا ہیں معنے
اس لیئے تو نظر آتا ہے مرے یار جدا

ہے اگر حفظِ مراتب کی ضرورت واعظ
یار سے کیوں نہیں کر دیتا تو اغیار جدا

تم سے اے شیخ و برہمن نہیں مجھ کو نسبت
میری تسبیح الگ ہے مرا زنار جدا

کفر و اسلام کے جھگڑوں سے مبرا ہے شاد
یہ گرفتار ترا سب سے ہے اے یار جدا

غزل بتاریخ ۲- ذی حجہ ۱۳۴۱ھ روز سہ شنبہ مقام مسند مبارک

کجائی ستمگار و اے بے وفا
بیا تا بگویم بہ دل مرحبا

دمم در دلِ تو نسازد اثر
چہ غنچہ بود نشگفد از صبا

قدِ تست سرو سہی گل عذار
زگل بر قدت زیب دارد قبا

نباشد عطائے تو ناقص الٰہ — بصارت بہ چشم پسر کن عطا

ز تو گر نخواہم دگر گو کہ کیست — کہ رحمے نماید بر احوالِ ما

بحقِ محمد بہ ہمراہِ علیؓ — علی آں کہ او ہست مشکل کشا

کرم کن الٰہی کرم کن بہ من — بجز ذاتِ تو نیست دیگر خدا

بدرگاہِ تو چوں گدا آمدم — تو شاہی بکن رحمتے بر گدا

چو یابد ترا شاد گردد فدا — کجائی چگونہ چگوید ترا

غزل بتاریخ ۵ ذی حجہ ۱۳۴۱ھ روز جمعہ بمقام مسند مبارک

تیغ ابروے تو عاشق کشِ و پیغامِ قضا — قاضی جور نوشتہ است علیہ الفتویٰ

صبحدم از پئ گلگشتِ گلستاں رفتم — گل بخندید و بفرمود بیا شاد بیا

مرحبا گفت گلم زود برفتم بہ چمن — بشتابی کہ رود سوئے چمن بادِ صبا

گفت ای شاد تو چوں غنچہ چرا افسردی — ہست شاید بدلت درد کہ جویش دوا

گفتم ای گل کہ ازیں پرسشِ احوالِ تو من — نتوانم کہ بہ پیشِ تو کنم شکر ادا

در گلستانِ جہاں تازہ بمانی دائم — باد انفاسِ شمیمت بچمن روح فزا

دردِ دل با تو چگویم چہ تواں خواہی کرد — شاید آں رنج کہ دارم خبرے نیست ترا

نورِ چشمم که خدا عمر دہد یکصد و سی
پاسخم داد که ای شاد نباشی دلگیر
مشکلے نیست کہ ای شاد نگرو د آسان
قرة العین چو بخشید خدائے متعال
چشم نور بصرت زود منور گردد
این نوید بکہ رساندم بتو امروز ای شاد
رفتہ بود او بطوافِ درِ خواجۂ اجمیر

ناگہان ضرب بچشمش برسیدہ ز قضا
مرد باید کہ ہراساں نشود در دنیا
ناامید نیست گنہ بس تو دعا کن ز خدا
بچساں نقص گزارد تو بگو بہرِ خدا
بخشدش نور سمٰوات فروغے ز ضیا
ملہمے گفت کہ نامش چمن ہست صبا
مژدہ آمد ز درِ بار معین گوش کشا

گفتۂ ملہم غیبی نشود شاد غلط
دوستاں راشدہ مقبول ہماناکہ دعا

غزل بتاریخ ۱۹۔ذی حجہ ۱۳۴۲ھ روز جمعہ بمقام مسند مبارک

قلوبِ اہلِ دل روشن بود چوں شمع محفلہا
بجز عارف ندارد آگہی از پرتوِ دلہا
ترا ای ساقی مستاں تنک ظرفی نمی ماند
دلت از بہر بجر بادہ می شاید چو ساحلہا
اگر داری دل تیرہ زداغ عشق روشن کن

که در هر انجمن پرتو دهد چوں شمع محفلها

به بزم ما بهار حسن تو نظاره می خواهد
بگو گل را که بردارد نقاب از رخ بمحفلها

بکش الشیخ جامِ مئ که هنگامِ بهار آمد
که از صهبائے گلگوں است رنگیں شهر و محفلها

طریقِ عاشقاں واعظ نمی دانی شنو از من
جدا باشد طریقِ عشق از هر راه و منزلها

چه خوش گفته علیؔ ای شاد سرِّ عاشقی اینست
محبت جادهٔ دارد نهاں در خلوتِ دلها

ردیف (ت)

غزل بتاریخ ۱۵- ربیع الاول ۱۳۴۱ھ روز یکشنبه بمقام مسند مبارک

در سرم ز زلف او از جنون بلا برخاست
ای خدا نمی دانم ایں بلا چرا برخاست

عهدِ وصلِ یار آمد موسمِ بهار آمد
گل شگفت و از بلبل شورشِ نوا برخاست

روئے دل به سوئے تست چشمِ من به سوئے تست
از چه از شکستِ دل وا ز دلم صدا برخاست

جستجوے تو کردم در حریم و بتخانہ
چوں تو آمدی در بر دلِ مدعا بر خاست

در دل و فاد شمن مہر کس نمی گنجد
چوں شنید از عشقم از پی جفا برخاست

شاد تو بتوانی دور کن خودی از خود
چوں خودی میان آمد قربت از خدا برخاست

غزل

بتاریخ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ روز پنجشنبہ بمقام مسند مبارک

زندگی مایۂ صد آزار است
آرمیدن بجہاں دشوار است

اندریں بتکدۂ حرص و ہوا
بجز از یادِ صنم بیکار است

عمر تو گر مژہ برہم زدنیست
اندریں دارِ فنا بسیار است

اندریں دشت کدام آبلہ پاست
خارِ راہش مژۂ خونبار است

تا کہ عکسِ رُخ و زلف تو فتاد
دلِم آئینہ جوہر دار است

نارسائی او از بخت چناں
کہ بہ ہجرِ تو ازاں طومار است

نکند نالہ و فریاد دلم
مگر از بے اثری بیزار است

می رسم شاد بسر منزلِ کفر
جادۂ راہ مرا زنار است

غزل بتاریخ ۲۵۔ رمضان ۱۳۴۱ھ روز شنبہ بمقام مسند مبارک

فروغ چشم وحدت این وجود است — فروغانی ازاں بزمِ شہود است

کشیدہ سرمہ در چشم عالم — کہ از رنگش فلک عینِ کبود است

جبیں دارم بدرگاہش چو خورشید — فروغ بختم از داغِ سجود است

اگر عاشق شہیدِ ناز گردد — عجب نبود نیازش از وجود است

زمن برا احمد و آلِ محمد
محقر تحفہ شاد از درود است

غزل بتاریخ ۲۵۔ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ روز شنبہ بمقام مسند مبارک

تو گوئی عشق را واعظ جنون است — غلط گوئی کہ این ذوق درون است

ز رمزِ معرفت آگہ نماید — بہ راہ حق ہمیں یک رہنمون است

ز داغِ او دلم گردید روشن — از و نورِ درون وہم برون است

کسے گر عیب پندار و خطا کرد — زبون است و زبون است و زبون است

بہ بیرنگی درونِ پردہ ذاتیست — کہ نیرنگش بنقشش رہنمون است

بشر گردد شناسائے حق ای شاد
بحرفِ عشق صد ویں فسون است

غزل بتاریخ ۲۲ - ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز شنبہ بمقام مسند مبارک

در دستِ ساقی صہبائے ناب است
کیفے مدامی در آں شراب است

گر مستِ عشقی می نوش می نوش
در مشربِ ما عینِ ثواب است

بے پردہ بینی ظاہر چگونہ
پوشیدہ یارم در صد حجاب است

زاعیانِ ثابت پوشیدہ ماندہ
ہر یک تعین دیرا حجاب است

پیوستہ بادے چو گردید اسے جاں
اندم انا گو عین ثواب است

گر ذاتِ دریا دانی چہ چیز است
ہر موج و طوفان د ہم بحر آب است

در علمِ عرفان از فیض مرشد
ایں شاد صد شکر بس کامیاب است

غزل بتاریخ ۲۵ - ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز شنبہ بمقام ارجن نگر

میخانے میں نہیں ہیں فقط شیخ و شاب مست
ہر مغبچہ ہے صورتِ مستِ شراب مست

گردش سے چشمِ مست کی عالم خراب ہے
ہیں آسماں پہ دونوں مہ و آفتاب مست

ہے رعد و برق بھی اسی عالم کی مستِ مے

خندہ جو برق ہی تو ہی گریاں سحاب مست

تیری نشیلی آنکھوں کا میں کیا اثر کہوں

تارِ نگہ سے بڑھ کے ہیں تارِ نقاب مست

ان کو تو جاں نواز ہی آہنگِ بے نوا

مستوں کو کب کرینگے یہ چنگ و رباب مست

ان کو نہیں ہی جنت و دوزخ سے واسطہ

بیکار جانتے ہیں عذاب و ثواب مست

کس کی یہ چشمِ مست نے متوالا کر دیا

فرمائیے تو شاد ہوئے کیوں جناب مست

غزل بتاریخ ۵ - ذی الحجہ سنہ [illegible]ھ روز جمعہ مقام مسند مبارک

پرستیدنِ بت عبادت ہمینست — وفا گر نماید عنایت ہمینست

تو ایجادِ رسمِ جفا کردہ — ترا ای جفا کار عادت ہمینست

ببالینِ بیمار آئی اگر — شفایش ز چشمِ عنایت ہمینست

ز دیدارِ تو گر شوم فیض یاب — نشانِ قبولِ عبادت ہمینست

دل و جان بمرشد حوالہ کنیم — مریدانِ صادق ارادت ہمینست

ہر آنکس کہ کردہ ادب اختیار | بہر دو جہانش سعادت ہمینست

بہ پورت نماید عطا نورِ چشم
زحق شاد واللہ مرادت ہمینست

ردیف (د)

غزل بتاریخ ۱۱ صفر ۱۳۴۱ھ روز شنبہ مسند مبارک

سرم از زلف تو اید وست ہوا دارد | چہ ہوائیست کہ از ظلِ ہمائے دارد
رہبرِ قافلۂ عشق سبکبار انم | جرسِ نالۂ من بانگِ درائے دارد
خونِ عشاق بمالی تو اگر از کفِ پا | جائے نازاست کہ او رنگِ حنا دارد
حیف ما بند کہ یکے عقدۂ دل باز نکرد | جبہ‌ای مشکیں زصبا عقدہ کشائے دارد
ماہ تا صبح بود مہر منوّر تا شام | چیست آں چیز کہ در دہر بقائے دارد
ہر قدر عشوہ و اندازِ ستم میداری | دلِ دیوانۂ عشاق شفائے دارد

اثرِ سوز کہ در نالۂ شاد است چناں
عجبے نیست کہ از عشق نوائے دارد

غزل بتاریخ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ بمقام مسند مبارک

مژگانِ تو زیر ابروانند — دو ترک بخانهٔ کمانند
دندانِ تو جمله در دهانند — در حقهٔ لعل گوهرانند
عشاق ز تیره بختیٔ هجر — در روز بظلمتِ شبانند
عشاق بعرضِ حال پیشت — چون غنچه دهان بے زبانند
ارباب کرم چو ابر نیسان — از دستِ سخا گهر فشانند
از مایهٔ سیم و زر بخیلان — چون مار بگنجِ پاسبانند
در حضرتِ بے نیاز شاهان — خواری کش سنگ آستانند

از دشمن و دوست نیک طبعان — چون شاد همیشه شادمانند

غزل بتاریخ ۲۲ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ روز یکشنبه بمقام مسند مبارک

حسنِ جاناں چوں تجلی یار شد — چشمِ باطن محوِ آں انوار شد
درس عشقش تا گرفتم واعظا — سینه ام گنجینهٔ اسرار شد
از طلب مطلوب مخفی می شود — بهرِ مطلب زاں طلب بیکار شد
هر سرے از عشق گردد ارجمند — عشق بر سر طرهٔ دستار شد

یکدم از یادِ صنم غافل نیم — دل ز ذکرِ او چنان هشیار شد
این قدر بگریستم در هجرِ او — دیدهٔ من ابر و دریا بار شد
در دلِ من هر چه او القا نمود — آن پیامش سر بسر اسرار شد
این دلِ من گشت چون از آشنا — نامه و قاصد همه بیکار شد
این دلِ شیدا مگر منصور بود — بر سرِ دار آمد و سردار شد

پیش چشمِ حسن شد چون جلوه گر
شاد چون آئینه محوِ یار شد

غزل بتاریخ ۲۹ - جمادی الثانی [illegible]ھ روز جمعه بمقام مسند مبارک

دیوانه دلم مائلِ یار است به بینید — در عشق مرا خوش سروکار است به بینید
در عشق چه حاصل شده من با تو چه گویم — دل خون شده و سینه فگار است به بینید
هر داغ که از فرقتِ آن گل بدلم سوخت — از شعله کشی شمع مزار [illegible]
هر چند که در کعبه و بتخانه بدم راه — چشم و دل من سوئے نگار [illegible]
دانم که بمن یار وفا هیچ نکرده — لیکن بوفایم سروکار [illegible]
بیکار ندیدم گہے آن جنبشِ ابرو — این تیغ دو دم بر سر کار است به بینید
هر چند که او شاد مرا یاد نه فرمود — لیکن دلِ من محو به یار [illegible]

غزل بتاریخ ۲۔ شعبان ۱۳۴۱ھ بمقام مسند مبارک

بدہ از سلسلۂ زلف مرا تارے چند — کہ دہم تاب پئے رشتۂ زنارے چند

عاشقان عافیتِ خویش نخواہند بعشق — باید از بہرِ دلِ زار دل آزارے چند

کفر و ایمان بجز آن زلف و رخ نیست دگر — بستۂ او بہ حیاتند گرفتارے چند

چشم بد دور کہ چشم تو بہ محفل ساقی — ہوش بستاند بیک جام ز ہشیارے چند

پئے دل بردن عشاق وفاکیش مرا — ماند بیہم دگرہا ہمچو تو دلدارے چند

عجبے نیست کہ ہوش از دلِ ناداں ببرد — میکند مست نگاہت دلِ ہشیارے چند

سالکِ عشق سبکبار بمنزل برسید
شاد از بوالہوسانند گرانبارے چند

غزل بتاریخ ۲۴۔ رمضان ۱۳۴۱ھ روز جمعہ بمقام مسند مبارک

حسن بنمود رخے شور و شرے پیدا شد — عشق زد نعرہ کہ این پردہ درے پیدا شد

فطرتم گم شد و از جیب حقیقت سر زد — عشق من گفت کہ شوریدہ سرے پیدا شد

چشم من دیدہ چناں گفت کہ حسن ازل — در خورِ جلوۂ ما دیدہ ورے پیدا شد

عکس خود دیدہ دریں آئینۂ پیکرِ من — گفت دلبر ز کجا این دگرے پیدا شد

یار بیتاب شدہ چوں بہ برم قلب تپید — از درونم بدلِ او اثرے پیدا شد

پیر میخانہ مرا دیدہ بفرمود چناں	از کجا مستی از ل بادہ خورے پیدا شد

شاد از عشق صنم ہیچ مکن پیش و پسے
گشت معلوم کہ بیداد گرے پیدا شد

غزل بتاریخ ۳۰۔ رمضان ۱۳۴۱ھ روز پنجشنبہ بمقام مسند مبارک

در عشق یار عشق بہ عاشق ضرر نداد	لیکن ز دردِ او بدلش ہم اثر نداد
مشاطہ گشت عشق پیامش بمن رساند	از حسن او کسے بدلِ من خبر نداد
عمر بود کہ بوئے گل از گلم رسید و رفت	رفتہ کجا کسی بکس از وے خبر نداد
از گریہ اشک چشم بشوقش بباد رفت	ایں ابرِ من چو شبنمِ غلطاں گہر نداد
رفتم بسوئے کعبہ کہ بینم جمالِ دوست	لیکن بتے ز غارتِ دینم گذر نداد
دستے ز جاں بشویم و دل خوں کنم ز غم	او بوسۂ ز لعلِ لبِ خود اگر نداد

منصورِ وقت گی شود آن بو الہوس کہ شادؔ
در راہِ عشقِ دوست سرِ دار سر نداد

غزل بتاریخ ۱۹۔ ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز چہارشنبہ بمقام مسند مبارک

حق چو سرِ ذات خود بر من کشود	نقش اغیار از دل دو چشم ربود
در سراپا آتشِ عشقش گرفت	از دلِ افسردہ بر آورد دود

اینکه تار و پو و می بینی عیاں
عنکبوتیست از نفس اندر وجود

در دلم چوں دید شانِ عشق را
سطوتِ فرزانگی از من ربود

نقشِ وحدت شاؔد چوں آمد پدید
حرفِ غیریت ز قلبِ من ببود

ردیف (ر)

غزل

بتاریخ ۸۔ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ یوم یکشنبہ بمقام سندمبارک

حُسنِ آں بُت را امکانست ای پسر
عشقِ حق را نردبانست ای پسر

عقل دشمن دل محب وتن حجاب
سرِ ایں ہر سہ عیانست ای پسر

کی یقیں سازیم ما با تست حق
ایں دلِ ما در گمانست ای پسر

سینۂ ما را ہدف سازی خوشست
ناوکِ تو در کمانست ای پسر

بر خطاہا گریہ می بایست کرد
ایں ز عبدیت نشانست ای پسر

دامنِ عصیاں شود دایم دراز
رحمتش گوہر فشانست ای پسر

در جہانِ دل بتو گردد عیاں
عشقِ او سِرِ نہانست ای پسر

شاؔد میدارد بدل عشقِ بُتے
آہ و نالہ ترجمانست ای پسر

غزل بتاریخ ۱۰۔ ذی القعدہ ۱۳۲۱ھ روز سہ شنبہ مسند مبارک

رہتا ہوں میکدہ میں الفت کا داغ لیکر
ساقی جلا یا دل کو تجھ سے ایاغ لیکر

جب میں نے لو لگائی دل ہی میں تجھکو پایا
دیر و حرم میں ڈھونڈا اگرچہ چراغ لیکر

طرہ لگاؤ سر پر تم مشرقی کرن کا
اتراتے پھرتے ہو کیوں تم پر زاغ لیکر

درد آشنائے الفت دل ہو تو راز سمجھے
سمجھے گا کیا تو واعظ خالی دماغ لیکر

مندر میں اور حرم میں پایا نہ ہم نے تجھکو
ہر جائے پر پھرے ہم تیرا سُراغ لیکر

دیکھا جو غور کر کے اپنے میں تجھ کو پایا
تو ہی مکیں تھا دل میں دیکھا چراغ لیکر

دیدار ہم کو اُس کا ہو جائے تو ہی کافی
اے شاد کیا کریں ہم جنت کا باغ لیکر

ردیف (ز)

غزل بتاریخ ۱۲۔ صفر المظفر ۱۳۲۱ھ روز چہارشنبہ بمقام مسند مبارک

بچہ انداز ببر آمدہ آں مایۂ ناز
طلعتش ہوش رُبا جلوۂ او صبر گداز

چہ پری چہرہ کہ غارتگرِ ہوش و ہوس است
بچنیں عشوہ ندیدہ فلکِ شعبدہ باز

دوش از لطف بخوابید بہ پہلویم و گفت
نہ ہم تن نکنی گر تو بمن عجز و نیاز

گفتم ای عربدہ جو بگزر ازیں جور و جفا
جانِ من باد فدائے تو باین غمزہ و ناز

گفت ہمچوں من تنگول بتے را دیدی
کہ بہر غمزہ و انداز بود صبر گداز

گفتمش ای بُتِ کافر چہ نمایم و صفت
ببری دین و دل از شیخ و برہمن از ناز

گفت ای شاد یقیں کن کہ باین حسن و جمال
ہمہ خوبانِ جہانند مرا ہیچو ایاز

غزل بتاریخ ۲۰- جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ روز شنبہ بمقام مسند مبارک

تراست شیوۂ دل بردن و کرشمہ و نازہ
مراست خدمتِ جانبار می و وفا و نیاز

کنی چو ترکِ خودی ہر حجاب بر خیزد
شوی بخلوتِ دیدارِ دوست محرم راز

نیازِ و درد و محبت متاعِ عشاق است
خرند عابد و زاہد ثواب روزہ نماز

حدیثِ غیر شنیدن بعاشق است حرام
اگر فسانۂ تو گوش کردن ہست جواز

سرے بمہرِ بتاں دار تا بکام رسی
گذر بعشقِ حقیقی شود ز راہ مجاز

زہفت سال نہ زیارت نکردم ای خواجہ
ازیں امید تو امسال کن مرا ممتاز

اگر بہ روضۂ اقدس روم بگویم شاد
منم غریبِ دیار و توئی غریب نواز

ردیف شین

غزل بتاریخ ۸- ربیع الاول ۱۳۴۲ھ روز یکشنبہ بمقام مسند مبارک

دل ہدف شد ز تیر مژگانش
زخم زارے شدہ ز پیکانش

سرم آشفت و عقل ہوش بہ برد
زلف مشکیں عنبر افشانش

عاشق صادقست بے چارہ
تو بخون ریختن مترسانش

شام از زلف او ہویدا شد
صبح سر زد ز روئے تابانش

روز من کردہ است چوں شب تار
سرمۂ چشم شوخ فتانش

خضرم گشت آں لب لعلش
زندہ بنمود آب حیوانش

خوں کند مشک را ناف غزال
نکہت زلف مشک افشانش

گر کند خضر لعل او گردد
تلخ کامش ز آب حیوانش

سر نہ پیچد کہ از ارادت شاد
گر ستانی تو جان من جانش

غزل بتاریخ ۲۹- ربیع الاول ۱۳۴۲ھ روز یکشنبہ بمقام مسند مبارک

نباشد شاد اگر در کوچہ و بازار جویندش
کہ اجمیر است دور راہ کوئے یار جویندش

اگر این بلبل سدره نپرد از قفس بیرون | نیابندش اگر در گلشن و گلزار جویندش

همانا شاد از رندی گذشته مرد صوفی شد | نه بینندش اگر در خانهٔ خمار جویندش

ز عشق چشم گلرویان دل عاشق مرض دارد | علاجش هم به پیش نرگس بیمار جویندش

ز چشم پرفن ای ظالم چه کردی سحر عاشق را | همان بهتر علاج از نرگس بیمار جویندش

بخوان تو شاد را در عاشقی برتر ز عشق خود | کجا او را در میان عاشقان سردار جویندش

ز قید کفر و ایمان شاد عمرے شد که آزاد است
چرا اکنون باهل سبحه و زنار جویندش

غزل بتاریخ ۱۰- جمادی الثانی ۱۳۴۱ھ روز یکشنبه بمقام مسند مبارک

منعما از مکر این نزال جهان هشیار باش | هست این روباه ای شیر ژیان هشیار باش

غافل از یاد خدا در حب این دنیا مشو | پیشت آید وقت پیری نوجوان هشیار باش

غیر حق بگذار و با یاد حق گزین گر عارفی | از قفایت مرگ می آید دوان هشیار باش

اندرین وادی ز مکر رهزنان غافل مباش | کاروان عمر تو باشد روان هشیار باش

منعما دایم مپنداری که چینی گل ز عیش | در قفائے هر بهار آید خزان هشیار باش

در رباط دهر عارف دل به نعمتها مبند | سفره اش باشد پی هر میهمان هشیار باش

چیره دستی گر کند دشمن مترس الا تو شاد | یاوری جو از خدا از خصم جان هشیار باش

ردیف (ک)

غزل بتاریخ ۲۵- ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۱ھ روز سہ شنبہ بمقام اسٹیشن تماپور

گریں گے جستجو ہم لامکاں تک
رہے گا چھپ کے تو ہم سے کہاں تک

تیرا شیوہ ستم ہی جب کہ ٹھیرا
ستا لے تو ستانا ہی جہاں تک

نمود و بود سے واقف نہیں ہیں
ہم اپنے کو تو بھولے ہیں یہاں تک

ہمارا شوق رہبر جب بنا ہی
پہنچ جائینگے اکدن کارواں تک

ترا ای فلسفی ہی مادہ جان
کہاں تیری رسائی حدِّ جاں تک

ابھی نفرت ہی سننے سے مرا حال
سنائے کوئی پھر اُس کو کہاں تک

مرا جو علم ہی علمِ حقیقی
ترا زاہد فقط علم البیاں تک

مرے یہ بختِ خفتہ جاگ اُٹھیں گے
رسائی ہو جو اُس کے آستاں تک

نہ کیوں ہم بے پتہ ہو جائیں ای شاد
پہنچنا ہی ہمیں اُس بے نشاں تک

ردیف (ل)

غزل بتاریخ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ روز جمعہ بمقام شاد منزل

کس کو سناؤں جا کے بھلا ماجرائے دل
وہ مجھ کو جانتے ہیں نہ ہیں آشنائے دل

فریاد ایک روز قیامت اُٹھائے گی
کچھ کم نہیں ہے صور سے میری صدائے دل

گمراہ ہیں ضرور یہ منکر وجود کے
سمجھے نہیں وہ کیا ہے مِرا مدّعائے دل

ہر ذرّہ آئینہ ہے بصد غور اُس میں دیکھ
کس آفتاب کی ہے جھلک اے صفائے دل

اُمیدِ عفو ہے کہ وہ عاصی نواز ہے
ہر چند بے حساب ہیں میری خطائے دل

اُس کے سوائے کوئی نہیں ہے جہان میں
ایسی سمجھ ہو جس کو وہ ہے ارتقائے دل

ترتیبِ کائنات میں پوشیدہ راز ہے
میں کیا بتاؤں راز ترا تجھکو ہائے دل

اے شادؔ نا اُمید نہ ہو اُس کے فضل سے
ہے منحصر کرم پہ فنا و بقائے دل

ردیف م

غزل بتاریخ ۲۹ ـ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ روز یکشنبہ

دوش چوں آں قدِ بالا دیدم	جلوۂ قامتِ طوبیٰ دیدم
چوں پری بُرد ز دل صبر و قرار	شب چو آں زلفِ چلیپا دیدم
از تکلّم دلِ من زندہ نمود	بخدا معجزِ عیسیٰ دیدم
شورِ سودا بسرم چوں قیس است	تا کہ رخسارِ تو لیلیٰ دیدم
مرغِ دل را بحدیثت اے گل	بخدا بلبلِ شیدا دیدم
ہمچو وامق ز دلم برد شکیب	طلعتِ یار چو عذرا دیدم
چوں کشید از رُخِ خود یار نقاب	بیخودی صورتِ موسیٰ دیدم
اے زہے بخت کہ در محفلِ خود	یار را انجمن آرا دیدم
از تجلّیِ جمالِ رُخِ دوست	بدلم وادیِ سینا دیدم
ہوسِ حور برفت از دلِ من	عارضِ روکشِ حورا دیدم

شاد در کعبہ چو رفتم دیروز
طلعتِ آں بتِ ترسا دیدم

غزل بتاریخ ۱۲- ربیع الثانی سنه ۱۳۴۱ھ روز شنبه بمقام مسند مبارک

خلق میگوید مرا ای شاہ من فرزانه ام
کس نداند از ہوائے زلفِ او دیوانه ام

بست نقش صورتت بر صفحۂ لوح دلم
غیرِ خود دیگر نه بینی اندریں بتخانه ام

اندریں بت خانه ساقی از نگاہے مستی است
چشمِ مستِ آں بُتِ رعنا شده پیمانه ام

چوں نسوزم خویش را از آتشیں حُسنِ صنم
بر جمالِ شمع رویاں صورتِ پروانه ام

جز فنائے خود نه بینم در زمین و آسماں
در میانِ آسیا افتاده ہمچو دانه ام

بر درِ دل سالہا خدمت نمودم چوں ایاز
رفت چوں محمود از آں اندر جہاں افسانه ام

گو بگوید حاسدے شاہد پرستم پیشِ خلق
صوفیِ آزاده ام بر مشربِ رندانه ام

برہمن داند که با زنّار نبود ربط من

شیخ میگوید که از اسلام من بیگانه ام

آنکه می پرسد مرا با خواجه می داری چه کار

خواجه جانانم بود من طالبِ جانانه ام

شیخ گوید قبله ام بتخانه باشد راست گفت

کعبۂ شیخ است از عشق بتے بتخانه ام

تو طوافِ کعبه فرما من طوافِ دل کنم

دل بود از کعبه به از جلوه جانانه ام

شاد اناالحق گویم از هفتاد و دو ملت پس

نیستم منصور لیکن عاشقِ دیوانه ام

غزل بتاریخ ۷۔ جمادی الاول ۱۳۴۲ھ روز سه‌شنبه بمقام مسند مبارک

در زلف گرفتارم از عشق جگر خوارم

اے دوست بتو یارم ز اغیار تو بیزارم

گر بخت بود خفته پروائے نمی دارم

چوں دوست بود از من با طالع بیدارم

ہر چند کہ می نوشم از خود نہ شوم غافل
بر پائے صنم افتم مدہوشم و ہشیارم

گویند مسلمانان کافر ز بتے ہستم
با دشمنِ خود سازم من عاشق عیارم

گوید کہ موحد ام گویند غلط گفتی
گویند گرم کافر اقرار نمی آرم

نی کافر و نی مومن زیں ہر دو من آزادم
از رشک بگویندم مکارم و غدارم

از مشغلۂ دُنیا ہر چند کہ بیکارم
ای شاد ز ذکرِ او واللہ کہ باکارم

غزل بتاریخ ۲۲-جمادی الاول ۱۳۴۲ھ روز چہارشنبہ بمقام شادنگر

زقبلۂ رُخ تو چار سو نماز کنم
ز ہر طرف سوی تو سجدہ از نیاز کنم

بعشقِ تو دل از اغیار رو بگرداند
ز ما سوائے تو ای دوست احتراز کنم

اگر بہ کعبہ روم یا روم بہ بُت خانہ
جمالِ یار بہ بینیم چو چشم باز کنم

مرا بخضر چہ کار است پیش پیرِ مغاں
شرابِ عشق بہ نوشم چو لب فراز کنم

مرا حرام بود گر ز غیر حرف زنم	حدیثِ یار بگویم سخن دراز کنم
بهر رهی که روم تو مرا خضر باشی	ز راهِ غیر تو ای یار احتراز کنم
تمام خلق به بینند مرا بچشم قبول	چو رو بدرگهِ سلطانِ دلنواز کنم
مبیں بظاهر و کافر مرا مگو ای شیخ	بیادِ دوست به پیشِ بتاں نیاز کنم
چو آفتاب ز عشق است در دل اشراقے	که از فروغ دلِ ذرّه عشقباز کنم

ز سوزِ عشق کشد نغمه سازِ دل ای شاد
نه من سماع نه آواز چنگ و ساز کنم

غزل بتاریخ ۹ شوال المکرم ۱۳۴۱ھ روز شنبه بمقام مستِ مبارک

چو دل بدستِ تو دادم باختیارِ تو ام
بصد نیاز شب و روز اُمیدوارِ تو ام

نهاد پیرِ مغاں نامِ من خماریِ شاه
کشم اگرچه خُم باده در خمارِ تو ام

دلم ز دردِ فراقت هماں تپش دارد
شبِ وصال اگرچه که در کنارِ تو ام

نگو تو کافرم اے یار کافرِ عشقم
نگو تو فاسق و فاجر گناهگارِ توام
اگر ز رازِ درونم دلا خبر داری
بگو به رازِ دل من که رازدارِ توام
رُخم ز دردِ فراقت چو زعفران زرد است
بباغِ عشق ز داغِ تو لاله زارِ توام
اگرچه هیچ نیم لیک عشق کرد قبول
بگو تو شاد به خواجه که دلفگارِ توام

غزل بتاریخ ۱۴- ذیقعده ۱۳۴۱ھ روز جمعه بمقام شادنگر

گفت زلف و عارضِ ما رانگر۔ گفتم بچشم
گفت وصفِ هر دو کن شام و سحر۔ گفتم بچشم
گفت اگر خواهی که بینی خویش را در صورتم
من ترا آئینه ام در من نگر۔ گفتم بچشم
گفت شیدا کیست بر من۔ گفتمش این جاں نثار
گفت معشوقم فگن بر من نظر۔ گفتم بچشم

گفت نخلِ آرزویت کیست گفتم قامتت
گفت اگر خواہی ازو می چین ثمر۔ گفتم بچشم

گفت اگر عاشق شدی بگسل ز جان گفتم بدل
گفت در عشقم رود بر باد سر۔ گفتم بچشم

گفت آسان نیست عشقم گفتمش سہل است سہل
گفت در راہش چہا بینی خطر۔ گفتم بچشم

گفت گر تو عاشقی اے شاد بہرِ عرضِ حال
نامہ بنویس از خونِ جگر۔ گفتم بچشم

ردیف (ن)

غزل بتاریخ ۱۰ صفر ۱۳۴۱ھ روز دوشنبہ بمقام مسند مبارک

جتنے بت دیکھے وہ مغرور نظر آتے ہیں
گرچہ وہ حسن میں اک حور نظر آتے ہیں

چشمِ مخمور کا مستوں میں ترے ہی یہ اثر
سارے مخمور ہی مخمور نظر آتے ہیں

سخت جانی مری ہونے نہیں دیگی مجھے قتل
وار قاتل کے تو بھر پور نظر آتے ہیں

عشق کی میرے جہاں میں ہو نہ کیونکر شہرت
وہ ہر اک بزم میں مشہور نظر آتے ہیں

بُعد اور قُرب کی اُن کے نہیں دیکھی کچھ حد
پاس شہ رگ سے ہیں اور دور نظر آتے ہیں

مر مٹے خاک ہوئے دل سے مگر وہ نہ گئے
شان سے اپنی بدستور نظر آتے ہیں

محنتِ عشق کا جو بار ہے دل پر اے شاد
جتنے عاشق ہیں وہ مزدور نظر آتے ہیں

غزل

بتاریخ ۸- ربیع الاول سنہ ۱۳۴۱ھ روز یکشنبہ بمقام مسند مبارک

اُس چشمِ سرمگیں سے میں سرمہ در گلو ہوں
دل میں ہے آرزو میں جاسوسِ گفتگو ہوں

اے عشق یار سے تو کیا کیا طلب کرے گا
دل کی میں ہوں تمنّا جان کی آرزو ہوں

اِس گلشنِ جہاں میں میرا ہے دیدِ عبرت
خاموش مثلِ غنچہ ہنگامِ گفتگو ہوں

اک طائرِ نایاب آوارہ کر رہا ہے
جس کی طلب ہے ہر دم سرگرمِ جستجو ہوں

غفلت ہے کس بلا کی اتنی خبر نہیں ہے
کھویا ہے کس کو میں نے کیوں محوِ جستجو ہوں

اپنا ہوں آپ عاشق معشوق بھی ہوں اپنا
کس کو طلب کروں میں اپنی میں آرزو ہوں

دل میں نہیں سماتی ہے جوش پر ہے عشق
اس میکدہ میں ساقی لبریز اک سبو ہوں

اقرب ہے شاہ رگ سے ہے دور ہر مکاں سے
ڈھونڈوں کہاں میں اُس کو مایوس جستجو ہوں

ہوں بخت نارسا سے حرماں نصیب ایسا
پاتا نہیں میں اُس کو گو محوِ جستجو ہوں

دونوں جہاں ہیں مجھ میں نیرنگیاں ہیں مجھ میں
عالم کا ہوں تماشا عالم کی آرزو ہوں

نغمے بھرے ہیں مجھ میں اسرار قدرتی کے
تار نفس سے ہر دم اک ساز گفتگو ہوں

کیا حالِ دل سناؤں دل سوختہ ہوں ایسا
دودِ نفس سے اپنے میں سرمۂ گلو ہوں

بدلی ہوئی انکی تیوری گرم عتاب ہیں وہ
کہتا ہے حسن اُن کا میں تیری آرزو ہوں

ہرگز نہیں ہوا میں منت کشِ بہاراں
وہ گل ہوں اس چمن میں اپنا ہی رنگ و بو ہوں

جلوے دکھا رہے ہیں پیش نظر ہیں ہر دم
حیرت بڑھے بتا پھر کیوں محوِ جستجو ہوں

مقتل میں اُنکا خنجر کہتا ہے عاشقوں سے
ملتا ہے کون مجھ سے میں عاشقِ گلو ہوں

قاتل کی ٹھنڈی گرمی خنجر سے کوئی پوچھے
ابتک رگِ جہاں میں افسردہ میں لہو ہوں

ہے کون دوست میرا دشمن ہے کون میرا
ہوں دوست شاد اپنا اپنا ہی میں عدو ہوں

غزل بتاریخ ۳۰ - رمضان ۱۳۴۱ھ روز پنجشنبہ بمقام مسند مبارک

کیوں عمر صرفِ عشقِ بتِ خوبرو کریں
دُنیا میں آئے ہیں کہ تری جستجو کریں

ہیں پاکبازِ عشق ادا جب کریں نماز
پہلے ہم اپنے خونِ جگر سے وضو کریں

ہے دید میں جو لطف نہیں اس نماز میں
ہے وہ نماز دید تری دو بدو کریں

اے بخیہ سازِ زخمِ جگر تیرے ہاتھ سے
فرصت نہیں جو جیب گریباں رفو کریں

سُنبل جھکائے شرم سے سر اپنا کھا کے بل
کاکل کا اُن کے وصف جو ہم موبمو کریں

اپنے سوا نہ دیکھیں کبھی شکل غیر کی	آئینۂ دل اُن کے جو ہم روبرو کریں
ملتا ہی سننے والوں کو ذکرِ جلی کا لطف	محفل میں اس کے مست اگر ہاے و ہو کریں
شیوہ نہیں ہی ایسا بھلے مانسوں کا شاد	اَن بَن ہوئی تو آپ سے تم تم سے تو کریں

منظور ہی جو شاد بنیں آپ مستِ عشق
پیرِ مغاں سے بیعتِ دستِ سبو کریں

غزل بتاریخ ۲۰- ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ روز پنجشنبہ

بمقام شاد منزل

ہی تمنّا لیکن اصلی آرزو کچھ بھی نہیں
تیری ہستی لُعبتِ خاک اور تو کچھ بھی نہیں

کون ہوں میں کون ہی وہ اور کیا ہی یہ جہاں
جستجو میں ہیں بہت یہ جستجو کچھ بھی نہیں

تو ہی کر انصاف ظالم! کیا یہی دستور ہی
چاہنے والوں کی تیرے آبرو کچھ بھی نہیں

فلسفہ کہتا ہی جو کچھ ہی فقط اک مادّہ
میں یہ کہتا ہوں اگر کچھ ہی تو تو۔ کچھ بھی نہیں

ذات گل سے ہوتی ہو وونی بہارِ صحنِ باغ
اس جہاں میں ورنہ یہ سب رنگ و بو کچھ بھی نہیں

فانیما کا جب سبق پڑھ لے تو سمجھے آدمی
ہو وہی اس کے سوا پھر چار سو کچھ بھی نہیں

مین جو ہوں یہ ہو وہی سمجھو نہ صورت غیر کی
شاد ہو آئینہ اس کے روبرو کچھ بھی نہیں

غزل بتاریخ ۲۲- ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ روز شنبہ بمقام مسند مبارک

بے نشاں بینی نشان یارِ من — این چنیں شان ہست شانِ یارِ من

ہر چہ از عشق ازل دارم بیاں — این ہمہ باشد بیانِ یارِ من

در من و او ہیچ فرقے نیست شاد — شانِ من واللہ شانِ یارِ من

چوں بذاتش گم شدم باشد بقا — از بقائے جاودانِ یارِ من

ذرہ ذرہ را فروغے دادہ است — آفتابے در جہانِ یارِ من

چوں بہ دیر و کعبہ رفتم یافتم — ہست در ہر جا نشانِ یارِ من

در تعین صورتے بگرفت ذات — گشت ہر ذرہ مکانِ یارِ من

در مقامِ وصل با او یک شدیم — جانِ من گردید جانِ یارِ من

سجدہ ریز است ایں جبینم ہر زماں
شاؔد ہر آں آستانِ یار من

غزل بتاریخ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ روز شنبہ بمقام مسند مبارک

چشمِ ساقی کی طرح سے کوئی پیمانہ نہیں
میں اُسی سے مست ہوں اور وضع مستانہ نہیں

جس کا جی چاہے کہو اُس سے کہ آئے اور پیے
منتِ ساقی نہیں ہے بند میخانہ نہیں

کس لیے کہتے ہو دل کو خانۂ ویران ہے
یہ تو گھر ہے اک مکیں کا یارو ویرانہ نہیں

جو کوئی دردآشنائے عشق ہو سمجھے گا راز
عشق کا افسانہ ہے یہ اور افسانہ نہیں

جو کہ ہے معشوق عالم اُس کا میں دیوانہ ہوں
میں کسی حور و پری کا یارو دیوانہ نہیں

عشق سے رکھتے ہیں ہم دائم فقیرانہ مزاج
گو مزاج اُس شوخ کا اے شاؔد شاہانہ نہیں

اُس کو محفل میں نہ چھیڑو داغ پر کھائے ہیں داغ
دل جلا ہے شاؔد کوئی شمع و پروانہ نہیں

غزل بتاریخ ۲۹ ماہ ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ روز شنبہ

بمقام مسند مبارک

لوگ کہتے ہیں مجھے چشم کے بیماروں میں
نگہِ ناز کے تیروں کے ہوں افگاروں میں

کھول کر دیکھ ذرا حلقۂ زلفِ مشکیں
پائیگا شاد کو بھی اپنے گرفتاروں میں

کیسے بے پر کے پرندے یہ ہوا پیما ہیں
روز و شب اُڑتے ہیں جو لوگ کہ طیاروں میں

سب کی خواہش ہی کریں عشق کا سودا ای یار
اس لیئے رہتا ہی چرچا ترا بازاروں میں

آتشِ ہجر کی گرمی جو جلاتی ہی مجھے
لوٹتا اور تڑپتا ہوں میں انگاروں میں

یہ جو عشاق کی خواہش ہی کہ بیمار رہیں
لذتیں پاتے ہیں وہ عشق کے آزاروں میں

مست تیرے کبھی میخانے سے جانے کے نہیں
ساقیا عہد یہی ہی ترے میخواروں میں

جستجو اس لیئے کرتا ہوں ترے وصل کی میں
نام لکھا ہی مرا تیرے طلبگاروں میں

نظر آتا ہی ہر اک جائے میں تیرا ہی ظہور

بحر میں . بر میں . زمیں چرخ کے سیاروں میں

خواہ کافر کوئی یا اُس کو مسلماں سمجھے
شاؔد مشہور ہے خواجہ کے طلبگاروں میں

ردیف (و)

غزل بتاریخ ۵ ربیع الاول ١٣٢١ھ روز پنجشنبہ بمقام مسند مبارک

جانِ منی جانِ جانِ جانِ من و جانِ تو	صد چمنِ خندہ است ز لبِ خندانِ تو
مست نشد ہیچ کس از مئی لعلِ لبت	عالمے اندر خمار ہست بدورانِ تو
پیشِ دگر چوں روم پیشِ خودت خوان مرا	بندۂ تو بودہ ام مطلبم احسانِ تو
کس نہ درِ باغ بست گاہ نہ خارے خلید	شاد بسے چیدہ ام گل ز گلستانِ تو
پیشِ مسیحا مرو نسخۂ از وے مگیر	ای دلِ حرماں نصیب دردِ تو درمانِ تو
عشق تو گوید بیا عقل مزاحم شود	با دلِ من میکند عربدہ دربانِ تو

کفرِ حقیقی گزیں شاؔد مسلماں مشو
ہست ز عشقِ صنم دینِ تو ایمانِ تو

غزل بتاریخ ۱۴۔ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ روز دوشنبہ بمقام ارجن نگر

دیکھنا ابروئے کشیدہ کی ذرا تاثیر کو
کام دل پر وہ کیا جو کر دیا شمشیر کو

عقدۂ نظم جہاں ہے ہاتھ میں اللہ کے
دخل ہی کیا ہے کسی کے ناخن تدبیر کو

آگیا ایفائے وعدہ کا انھیں مشکل خیال
رکھ لیا ہے جب تو پاس اپنے میری تحریر کو

ق

فلسفی تو کیا بھلا جانے گا سرِّ معرفت
بند کر بیہودہ اس تقریر کو تحریر کو

شمع ہے وہ ایک ہی جس سے ہے روشن جہاں
ہے اگر چشم بصیرت دیکھ اس تنویر کو

میں نے دیکھا ہی نہیں ایسا حسین و بے نظیر
چاہتا ہوں دل میں رکھ لوں یار کی تصویر کو

ارتقائی خاک میں کیا سمجھے رمز معرفت
اور کیا عزت سے دیکھے فقر کی توقیر کو

مسلم اس پر تُل رہے ہیں گائے قربانی کریں
رٹ رہے ہیں کہہ رہے ہیں وہ وہاں تکبیر کو

ہندو کو ضد ہے کہ ہونے نہ دینگے ذبح گائے
وہ نہیں برداشت کر سکتے ہیں اس تحقیر کو

لاکھ صلح کل کا دونوں کو سبق دیتے ہیں شاد
کیا بنائے گا کوئی بگڑی ہوئی تقدیر کو

غزل بتاریخ ۲۲۔ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ روز شنبہ بمقام مسند مبارک

طور پر چل کے ذرا یار کا جلوہ دیکھو
میری آنکھوں سے کلیم اس کا تماشہ دیکھو

گر تمھیں چشم بصیرت ہے اُسی ذات سے ہے
ذرّے ذرّے میں وہی نور تجلی دیکھو

دل سے میں حسنِ ازل پہ ہوں فدا دنیا میں | میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہی دیکھا دیکھو

آریہ مادّے کو کہتے ہیں ہی یہ ہی قدیم | حق ہی وہ مادہ ان لوگوں کا کہنا دیکھو

گر نہیں تم کو یقیں میں تمھیں سمجھاتا ہوں | کیا ہی یہ معنی ایجاد کا نقشا دیکھو

مثلِ آئینہ کے دل اپنا بناؤ تو سہی | اس میں پھر روشنیٔ روحِ مصفا دیکھو

ایک ہی ذات کی عالم میں کشش ہی ہر سو | قدرتِ قادرِ مطلق کا تماشا دیکھو

عشق جس سے ہی نہ اول ہی نہ آخر اس کا | جو ہی اول وہی آخر ہی نتیجہ دیکھو

دل اگر رکھتے ہو امکاں کی کدورت سے پاک | سب سویدا میں ہی عالم ہی ہویدا دیکھو

ایک ہی ذات ہی ہر جائے پہ ہی جلوہ نما | چل کے بتخانے میں مسجد میں تماشا دیکھو

کعبہ و دیر کا ای شاد وہی ہی مالک
ذرا ان دونوں مقاموں کو خدا را دیکھو

ردیف (ہ)

غزل بتاریخ ۲۳ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ روز یکشنبہ بہ مقام مسند مبارک

اندر دیر و حرم رفتم نہ بیں خانہ وہ آں خانہ | از عشقِ صنم بودم شوریدہ و دیوانہ

من عاشق جانبازم جان باز چرا بازم
قاتل بدم تیغت میر قصم و مستانه

خواهی که مرا بینی سرمست درین محفل
ساقی بکفت من ده این شیشه و پیمانه

ای وحشت دل خیز و در دشت بهم راهی
زان زلف پریشانش دارم دل دیوانه

هر کس به می عشقش باز د خرد و هوشے
لیکن دل دیوانه از وی شده فرزانه

هنگام بهار آمد جانان بکنار آمد
افتاده دگر کارم با شیشه و پیمانه

در میکده شب رفتم می بود و دگر ساقی
بی لطف شده عیشم بی صحبت جانانه

ای لولی بربط زن مضراب به سازی زن
وانگاه ز عشق من خوش سر بکن افسانه

ای شادنی دارم تنها سر شوریده
دیوانهٔ او دیدم هر عاقل و فرزانه

غزل بتاریخ ۱۵- ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ روز شنبه بمقام مسند مبارک

به قد یار دل نامراد خو کرده
ز نخل سرو ثمر چیدن آرزو کرده

فنای خویش بود وصل یار ای عارف
که خود نمانده و خود را تمام او کرده

بنوش ساغر و آگاه ظرف خویش ببین
شراب ساقی ما شیخ در سبو کرده

بگردن دل من رشتهٔ محبت اوست
نه رشته نیست نه زنار در گلو کرده

کسیکه کرد گناه و ز شرم او بگریست
ز اشک نامهٔ اعمال شسته شو کرده

دلم شد از خس و خاشاک غیر پاک ہمہ | که عشق و وحدت دریں خانہ رفت و رو کردہ

بہر دو ہوش و حواس از سرش چناں می عشق
کہ شاد بیخود از و گشت مے وہو کردہ

ردیف (ی)

غزل بتاریخ ۲۲ صفر المظفر ۱۳۴۱ھ روز شنبہ بمقام مسند مبارک

دل جلے عشق سے جب سوختہ ساماں ہوں گے
شمع رو بزم میں وہ سرو چراغاں ہوں گے

ترکِ ناوک فگنی کرکے ذرا دیکھ تو لے
نیم بسمل ترے انداز سے بیجاں ہوں گے

اُس کے انداز کو گر آئینہ رو دیکھیں گے
جائے حیرت نہیں جو دیکھ کے حیراں ہوں گے

تیرے آنے میں اگر ہوگا تامل شبِ وصل
پہلے ہم آپ سے رخصت شبِ ہجراں ہوں گے

ذیہو فضیحت ہوں نصیحت کریں ہم غیروں کو

واعظا ایسے تو ہم تجھ سے نہ ناداں ہوں گے

منت خلق گوارا نہ کریں گے یارب
ہم نہ اغیار سے شرمندۂ احساں ہوں گے

اے جنوں دیکھنا آنے دے ذرا فصل بہار
دست وحشت سے کئی چاک گریباں ہوں گے

امتحاں کے لیے سینے سے نکالے گا اگر
تیرے ہی ملنے کے دل میں مرے ارماں ہوں گے

شاد عاشق کسی بت کے رہے کافر بن کر
یہ نہ ہوگا کہ دم مرگ مسلماں ہوں گے

غزل بتاریخ ۵۔ربیع الاول ۱۳۱۴ھ روز پنجشنبہ بمقام مسند مبارک

تا چند دم از پی شاہی و امیری
تا چند کنم آرزوے جاہ و وزیری

من طائر قدسم کنم از سدرہ نشیمن
تا چند من و دانہ و این دام اسیری

گر عارفی ای شاد مشو غرہ بدنیا
بگزار ہمہ حرص امیری کہ فقیری

غافل مشو از یاد و نگہداری فرصت
در عالم توحید جز این شغل نگیری

تا چند تو و این ہوس دولت دنیا
در شان غنا باش کہ بے مثل و نظیری

تا چند کنی سیر و تماشائے صور ہا | بنگر بحقیقت تو اگر مرد بصیری
ای مستِ ازل دست مکش از می عشقش | گر یار ترا جام دہد شاد بگیری

کافر چو کسے گویدت ای شاد چہ پروا ہت
تو بندۂ عشقی نہ امیری کہ فقیری

غزل بتاریخ ۱۱- ربیع الاول ۱۳۱۲ھ روز چہار شنبہ مسند مبارک

رات دن دل کی آہ و زاری ہی | برق کی مثل بے قراری ہی
ای مسیحا نہ کر تو فکرِ علاج | تیغِ فرقت کا زخم کاری ہی
ساقیا دیر کیا شراب پلا | آمدِ موسمِ بہاری ہی
زلفِ جاناں کی دھن ہی آٹھ پہر | دل کو سودائے بیقراری ہی
ڈھونڈھتے ہم ہیں جنسِ رسوائی | دل میں جب سے کہ ذوقِ خواری ہی
جوش پر ہی شجاعتِ قومی | آج کل ذوقِ جاں نثاری ہی
رات دن شاد اسی سے مطلب ہی | کیسی خوش زندگی ہماری ہی
آینہ سامنے ہی آٹھ پہر | حُسن کی اُن سے روبکاری ہی
ہی جو بُت کے گلے میں یہ زنار | کفر سے اس کی رشتہ داری ہی
یاد آئی ہی بے وفا کی پھر | پھر وہی دل کی بیقراری ہی

آج مقتل میں آئیں سب عشاق	یہ ستمگر کا حکم جاری ہے

ہے عجب شاد اس کا حسنِ غیور
بے حجابی میں پردہ داری ہے

غزل بتاریخ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ روز جمعہ بمقام مسند مبارک

ہیں فریب اور دھوکے یہ عنایتیں زبانی	کرو وعدہ گر وفا تم تو میں سمجھوں مہربانی
ترے سینے میں جو دل ہے یہ ہے کعبۂ حقیقت	ذرا غور سے نظر کر کہ یہ راز ہے نہانی
یہ جو دل ہے عاشقوں کا یہی ہے مرآتِ وحدت	اسی گنج کی ہیں کرتے وہ ہمیشہ پاسبانی
ترا حرف بے وہاں ہے ترا لفظ بے زباں ہے	ہے بیانِ بے نشانی ہے زبان بے زبانی
بڑی کشمکش میں ہوں میں بہت ہے سوچ کیا کروں میں	کبھی ہے خیالِ عقبیٰ کبھی ذوقِ حکمرانی
مجھے مجھ سے آپ موسیٰ مرے دل کو طور جانو	کوئی جلوہ اب دکھاؤ نہ سناؤ لن ترانی
تری پرسش اے مسیحا مرے زخمِ دل کا مرہم	ترے ناز کا اٹھانا ہے یہ عیشِ زندگانی
مرے دل میں تو سما جا مری جاں کی جان بن جا	مری جان کو بقا ہو ہو اگرچہ جسمِ فانی
اسے کہتا ہوں میں اپنا وہ ہے میرا اور میں اس کا	مجھے اپنا ہے سمجھتا یہ ہے اس کی مہربانی

کرو قدر اس کی یارو کہ یہ اک بڑی ہے نعمت
نہیں آتی شاد جا کر جسے کہتے ہیں جوانی

غزل بتاریخ ۲۱- جمادی الاول ۱۳۴۱ھ روز شنبہ بمقام شاد نگر

مدعا گر ہی جفا۔ پھر تو جفا اور سہی
عشق کی تیرے ستمگار بلا اور سہی

آزمائیں گے کبھی ہم بھی مقدر اپنا
گر وفادار ہو غیروں سے وفا اور سہی

قتل کرنے سے مرے دل ہیں جو تم ڈرتے ہو
نہ کرو جور و جفا خوفِ خدا اور سہی

عہد کر کے جو وفا غیروں سے تم کرتے ہو
ہم وفاداروں سے تھوڑی سی وفا اور سہی

گھر میں رہتے ہوئے اکتا گیا ہی جی اپنا
کچھ دنوں شاد نگر کی یہ ہوا اور سہی

عشوہ و غمزہ نے زخمی کیے ہیں قلب و جگر
ترکشِ ناز میں اک تیرِ قضا اور سہی

تم خداوند ہی کہلاؤ تو زیبا ہی
دو جہاں کا جو ہی مالک وہ خدا اور سہی

شاد یہ بت نہ کریں بندگی گر اپنی قبول
چلو بتخانہ سے پھر اپنا خدا اور سہی

غزل بتاریخ ۶- ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ روز پنجشنبہ بمقام مسند مبارک

آئیں جو وہ پہلو میں سینے سے لگائیں گے
ہمدرد انھیں دل کا ہم اپنے بنائیں گے

ہم نے رہِ الفت میں جان تک بھی فدا کر دی
اور خاک ہوئے آخر کیا اب بھی نہ آئیں گے

چھیڑے نہ ہمیں کوئی دل میں ہی ہمارے درد
جو کوئی ہونگیں دل اس کو بھی رلائیں گے

جائیں گے کہاں بچ کر عشاق کے جذبوں سے
پردے سے انھیں باہر ہم کھینچ کے لائیں گے

دل میں جو وہ دیکھیں گے جس دم کہ جمال اپنا
ہو جائیں گے خود رفتہ آئینہ بنائیں گے

رہنے کا مقام ان کا پوچھو تو مرا دل ہی
کعبے میں نہ مندر میں دل میں ہی سمائیں گے

عاشق جو ہیں گیسو کے ہندو و مسلمان سب
کیا شاد سادہ ان کو کافر نہ بنائیں گے

غزل بتاریخ ۔۔ ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز شنبہ بمقام مسند مبارک

شہرت اگر غرض ہی تو برقع اٹھا رہے
گر چاہتا ہے کعبے میں مندر میں وہ رہے

زیبا نہیں ہی رخ پہ جو پردہ پڑا رہے
بہتر جگہ ہی اس کو مرے دل میں آ رہے

وہ آشنا ہیں ایسے کہ وہ آشنا نہیں
سو وہ ایسی ہی دل کو ہوا خواہ کے ترے

مانند سائے کے وہ ملے اور جدا رہے
ان تیرے گیسوؤں ہی کی چلتی ہوا رہے

کچھ بھی اگر وفا ہی تو ایسا نہ چاہیئے
اغیار کے حضور میں میرا گلا رہے

دل کے مکاں میں آکے ذرا آپ ٹھیریئے
گر چاہتے ہو باب تمنا کھلا رہے

پوچھا جو میں نے کس لیئے رخ پر نقاب ہی
بولے ہی خوب کیجیے یہ پردہ پڑا رہے

اپنی حقیقت اپنے میں ہم آپ پا گئے
ہم اپنے آپ آئینۂ خودنما رہے

دل کو شکار کرتے ہو اتنا ہے لحاظ
تیر نظر سے اُس کا نشانہ ملا رہے

آتے ہیں سب سے چھپکے مرے پاس اس لیئے
منظور ہی کہ راز یہ پردا پڑا رہے

کعبے گئے نہ دیر گئے شاد خوش نصیب
جو اہل دل ہیں اُن کے ہی ہم دل میں جا رہے

غزل بتاریخ ۹۔ ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز یکشنبہ بمقام مسند مبارک

وصل سے شاد ہو گر عاشق ناشاد کبھی
نہ یہ نالہ ہو نہ یہ آہ نہ فریاد کبھی

خاک کر ان کو جلا کر جو جلاتے ہیں تجھے
کچھ دکھا دے اثر اے گرمی فریاد کبھی

میری ہستی کے مٹا دینے کی تدبیر یہ ہی
خاک کر دے کبھی اور خاک کو برباد کبھی

میں نے مانا کہ ستم کرنے میں مشاق ہی تو
رحم بھی سیکھ لے کچھ او ستم ایجاد کبھی

بدگماں کو نہیں باور ہی پیام قاصد
کاش سن لیتا زباں سے مری روداد کبھی

صدمے سہ سہ کے غم ہجر کے خاموش رہے
ہم نے سیکھا ہی نہیں نالہ و فریاد کبھی

دیر و کعبہ میں گئے اور کبھی میخانے میں
کبھی پابند رہے شاد اور آزاد کبھی

غزل بتاریخ ۱۴- ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز جمعہ بمقام شادنگر

اس گھڑی یاد آرہے ہیں شوخ کے گیسو مجھے
ہونے دے اے دل شبِ ہجراں میں بے قابو مجھے

ہے جنونِ عشق تیرا فتنۂ سرگشتگی
دی اسی وحشت نے تعلیمِ رمِ آہو مجھے

اُس کی تصویرِ خیالی سے ہیں ہم آغوش ہوں
بیخودی اب کیوں نہیں کھوتی خودی سے تو مجھے

جذبۂ بے اختیارِ شوق نے گم کر دیا
کیوں نہ ہو اب عشق میں گم گشتگی کی خو مجھے

چلتی ہے گلزارِ ہستی میں نسیم انفاس کی
یہ اُڑا لیجائے گی اک دن برنگِ بو مجھے

وصل کھوتے ہی بیتابی ہوئی دل کی فزوں
چین اک دم بھی نہیں آتا کسی پہلو مجھے

کر دیا ہے دل کو بسمل شاد اس کے ناز نے
تیغ بُرّاں ہے ادائے جنبشِ ابرو مجھے

غزل بتاریخ ۱۴- ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ روز جمعہ بمقام شادنگر۔ برمصرعہ طرح

مشاعرہ بزم ناطق قصور پنجاب

ہم پرستارِ خدا ہیں آپ ہیں اصنام کے
اب سمجھ لیں آپ معنی کفر اور اسلام کے

سچ جو پوچھو ہے کرامت آدمی کا ہر عمل
ہیں وہ ناداں معتقد بنتے ہیں جو الہام کے

ایک ہی معبود ہی فرقوں میں ہیں نام اُن کے دو — فرق کیا ہی گر خدا کے بندے ہوں یا رام کے

تھا مسلماں کوئی کہتا ہی میں ہندو ہو گیا — ق — کوئی ہندو کہتا ہی میں مومن فدا اسلام کے

فی الحقیقت سارے یہ جھگڑے خیالی بات ہی — سارے یہ خطرے ہیں دل میں شبہ اور اوہام کے

فرق ظاہر ہی کہ ہندو اور مسلمان اور ہی — نطفے کے اطوار ظاہر دیکھو خاص و عام کے

ہندو کو ہندو مسلماں کو مسلماں ہی جنے — ماہیت نطفے کی بدلے ایک مشکل کام ہے

جو کوئی جس قوم میں پیدا ہوا اس کا ہی وہ — کب اثر بدلے ہیں ماں باپ کے اور مام کے

چاہتے ہیں ہر طرح سے ہو ترقی قوم کو — اس لیے ہیں اب مخالف آرہے اسلام کے

اہل مذہب کو سلف سے اپنا مذہب ہی پسند — ایسے ہی جھگڑے چلے آتے ہیں کل اقوام کے

سچے دل سے جو کوئی بندہ خدا کا ہو گیا — نیک ہیں اعمال سب اُس مرد نیک انجام کے

زندہ معشوق ست عاشق مردہ ہے پہچان لو — مذہب ہندو کے معنے مذہب اسلام کے

لڑتے ہیں مذہب پہ حق پر کون ہی باطل پہ کون؟ — خوب لیتی ہی زباں اُن کی مزے دشنام کے

دل میں ہندو و مسلماں کے جگہ وحدت کی ہی — میان جیسے مختلف ہوتے ہیں اک صمصام کے

ایک مالک کے ہزاروں ہوتے ہیں لالہ جی غلام — کالی گوری دو کھی ہوں جس طرح سے شیام کے

کوئی کہتا ہی اللہ اور کوئی کہتا ہی خدا — کوئی کہتا گاڈ ہی اور کوئی کہتا رام کے

شاد صوفی مشرب ہیں ہم کو ان جھگڑوں سے کیا — ہم تو دل سے ہیں فدا اپنے شہ اسلام کے

غزل بتاریخ ۱۴- ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ روز جمعہ بمقام شاد نگر

یہ غزل برمصرع طرحی مشاعرہ بزمِ ناطق واقع قصور پنجاب لکھی گئی

حضرتِ شیخ یہ آریہ سے نفرت کیوں ہے
بے سبب آپکو شدھی سے عداوت کیوں ہے

آپ کہتے ہو طہارت جسے شدھی ہے وہی
گر ہے طاہر تو طہارت سے عداوت کیوں ہے

آپ فرماتے ہیں شدھی تو ہے ہم سے مختص
ق
تم سے ناپاک کی شدھی یہ نسبت کیوں ہے

آریہ ہو کے خفا کہتے ہیں اے حضرت شیخ
ہم سے ہر بات میں ناحق تمھیں حجت کیوں ہے

کیا سبب ہے جو سمجھتے ہو ہمیں تم ناپاک
ہم تو ہیں پاک ہماری یہ فضیحت کیوں ہے

شیخ فرماتے ہیں ناپاک نہیں ہو گر تم
بھنگی اور چوہڑوں سے شدت محبت کیوں ہے

شاستر نے تمھیں کب اس کی اجازت دی ہے
بھنگی اور ڈھیروں پہ میلانِ طبیعت کیوں ہے

کام ہر ایک تمھارا ہے نمایش کے لئے
سامی جی فعلِ عبث سے تمھیں رغبت کیوں ہے

اپنے مذہب میں ملا لیتے ہو بھنگی چوڑے
پاک مذہب ہے تو پھر ایسی حماقت کیوں ہے

ذات کے آپ گر اعلیٰ ہیں تو پھر اے سامی
ایسے ارذال سے دل مائلِ ذلت کیوں ہے

دعویٔ عزتِ قومی میں جو کرتے ہو غلو
ادنیٰ جو لوگ ہیں پھر اُن سے محبت کیوں ہے

بھنگی چوڑے بھی کہیں پڑھتے ہیں کیا گایتری
تم کو ان لوگوں سے اس درجہ عقیدت کیوں ہے

اُن کا جھوٹا نہیں کیوں کھاتے بتاؤ تو سہی
جب ملے قوم میں پھر اُن سے یہ نفرت کیوں ہے

جب کوئی شدھ ہوا پھر اس سے تنفر کیسا
جھوٹا اس کا نہ کبھی کھائیں گے حجت کیوں ہے

جب کسی قوم کا کوئی بھی مسلمان بنجائے
معترض یہ نہیں کہتا تمھیں الفت کیوں ہے

جب ملا قوم میں یہ غیر نہیں کہہ سکتا
کھانے اور پینے میں ساتھ اس کے یہ غیبت کیوں ہے

آجکل کس لیے لڑتی ہیں یہ قومیں ای شاد
دل کے آئینے پہ چھائی یہ کدورت کیوں ہے

شیخ کہتے ہیں مسلمان بنیں سب ہندو
ہندو کہتے ہیں کہ مذہب میں یہ جرات کیوں ہے

الغرض اپنی ہی اپنی ہے پڑی سب کو شاد
کیا کہیں ہم کہ یہ اقوام کی حالت کیوں ہے

جب کہ امید ہے سوراج کرینگے حاصل
پھر یہ آپس میں کوئی پوچھے عداوت کیوں ہے

تم تو ای شاد موحد بھی ہو اور صوفی بھی
سب سمجھتے ہو کہ قوموں میں عداوت کیوں ہے

غزل

بتاریخ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ روز یکشنبہ بمقام مسند مبارک

گرچہ ہر گونہ ہو راحت جسم انساں کے لیے
وصل جاناں ہی سے راحت ہے دل و جاں کے لیے

جوہر قابل ہے گر اس کو جہاں میں ہے فروغ
بحر و بر میں آبرو ہے در غلطاں کے لیے

حق شناسی ہے اگر تجھ میں تو پھر عارف تو بن
آگہی لازم ہے حق سے پہلے عرفاں کے لیے

علم جو معلوم تک پہنچا دے وہ ہے علم حق
اس سے کچھ حاصل نہیں ہے مرد ناداں کے لیے

دل جو عارف کا ہے وہ گنجینۂ اسرار ہے
معرفت لازم ہے واعظ راز پنہاں کے لیے

خوف کیوں کرتا ہے ناداں راہِ وحدت صاف ہے
خار اس رہ میں نہیں ہیں چاکِ داماں کے لئے

راہ وحدت میں تصوّر حق کا اپنے ساتھ ہے
شاد کس کو خوف ہے شیطان کا ایماں کے لئے

غزل
بتاریخ ۲۵- ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۱ھ روز شنبہ بمقام تماپور اسٹیشن

اپنے جذبِ حسن سے دلبر اگر دل کھینچ لے
تو خود اس دلبر کو اے شیدائے کامل کھینچ لے

سر بکف آیا ہے مقتل میں یہ تیرا جاں نثار
اب کمر سے تیغ اپنی جلد قاتل کھینچ لے

کہدو نیوٹن سے کہ تیری وہ کشش بیکار ہے
دیر کیا ہے تو اگر حق پر ہے قائل کھینچ لے

جذبِ الفت کا کرے کیا کوئی دعوے فلسفی
ہے اگر تجھ میں کشش آکر مقابل کھینچ لے

غزل
بتاریخ ۱۳ ذی حجہ سنہ ۱۳۴۱ھ روز شنبہ بمقام مسند مبارک

وہ صبحِ طربِ عیش کی وہ شام کہاں ہے
وہ چین کہاں دل کا وہ آرام کہاں ہے

پہلے جو تھی وہ غیرتِ اسلام کہاں ہے
وہ ہندوؤں کا نام وہ صمصام کہاں ہے

وہ لوگ سخاوت جو کیا کرتے تھے دن رات
اب ہیں وہ کہاں وہ کرمِ عام کہاں ہے

ہے مادّے کی آج کل اے شاد پرستش
اللہ کا کسی گھر میں وہ اب نام کہاں ہے

وہ ولولۂ شوق وہ بیتابیِ دیدار
وہ طور کہاں ہے وہ لبِ بام کہاں ہے

اغیار ہیں آسودہ تو محنت میں ہیں احباب | اب دوستوں کو راحت و آرام کہاں ہے
رندوں کے کہاں عیش کے سامان ہے باقی | ساقی و صراحی و مے و جام کہاں ہے
وہ حسن پرستوں کی نگاہوں کے لیے شاد | ابروئے ہلالی وہ لبِ بام کہاں ہے
عرفان سے نسبت تھی کرامت کی تھی شہرت | وہ عارفِ حق قاطعِ اوہام کہاں ہے
پہنچاتا تھا معشوقوں کو عشاق کے پیغام | وہ نامہ بر و نامہ و پیغام کہاں ہے

جو مرد کہ کٹ مرتے تھے غیرت سے ہمیشہ
اے شاد وہ اب قتل گہِ عام کہاں ہے

غزلیات

جو شعبان المعظم سنہ ۱۳۴۲ھ میں مشاعرہ پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ متحدہ منعقدہ بدایوں کی طرح پر تصنیف ہوئیں

جس میں اثر نہیں کچھ وہ ہے فغاں ہماری | خوننابہ ریز آنکھیں ہیں رائیگاں ہماری
مانے ہوئے تھا شاہی سارا جہاں ہماری | سمجھے ہوئے تھا عزت ہندوستاں ہماری
بے نام و بے نشاں ہیں گم کردہ کارواں ہیں | پوچھو نہ حالتِ دل اہلِ جہاں ہماری
ہند و عرب کے دریا قبضے میں تھے ہمارے | جاری سمندروں میں تھیں کشتیاں ہماری
مغرب کی وادیوں میں پڑھتے تھے ہم نمازیں | فاراں کی گھاٹیوں میں گونجی اذاں ہماری

شیرازہ سیاست بکھرا تھا ہم نے باندھا — قانونِ دیں میں پھونکی دل سوزِ نہاں ہماری

اک دن وہ تھا کہ عزت دیتے تھے ہم جہاں کو — اِک دن یہ ہے کہ ذلت ہے ہمعناں ہماری

اِک دن وہ تھا کہ نوبت بجتی تھی اپنے در پہ — اب بوم ڈھونڈھتے ہیں سقفِ مکاں ہماری

خیبر کے پتھروں میں گاڑا ہے ہم نے نیزہ — بدر و اُحد میں چمکی تیغ و سناں ہماری

ہم نے دھوئیں اُڑائے روما کی سلطنت کے — مانے ہوئے تھا اٹلی شہ زوریاں ہماری

ہم کیا تھے یرشلم کے مینار جانتے ہیں — اونچی تھیں آسماں سے سرداریاں ہماری

فغفور اپنا تابع قیصر مطیع اپنا — مانے ہوئے حکومت ہر حکمراں ہماری

کفار کے سروں پر چمکیں ہماری تیغیں — سینے میں دشمنوں کے ڈوبی سناں ہماری

ہم آٹھ سو برس تک فرماں روا رہے ہیں — دیکھی ہے شان تو نے ہندوستاں ہماری

دنیا کے بُتکدوں کو ہم نے بنایا مسجد — گرجاؤں میں بھی گونجی صوتِ اذاں ہماری

ہر طرح شادکامی ہم کو رہی میسّر — لیکن بہار اب ہے صرفِ خزاں ہماری

ای شاد ہم ہیں حق پر تم یہ یقین رکھو
محنت کبھی نہ ہوگی یہ رائگاں ہماری